# الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خان

زندگی ناخوش گواریوں سے خالی نہیں ہوسکتی ——
آپ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ ناخوش گواریوں کو بھلا کر
اپنی زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔

شمارہ ۳۴
ستمبر ۱۹۷۹

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ دو روپے

# الرسالہ

شمارہ ۳۴ □ ستمبر ۱۹۷۹

جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی 110006

## فہرست

# خدا پرستی کی جانچ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے — "اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے، اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد (میثاق غلیظ) لیا۔ تاکہ اللہ پوچھے سچوں سے ان کا سچ اور اس نے تیار کر رکھا ہے منکروں کے لئے دردناک عذاب (احزاب ۸) اس آیت میں میثاق غلیظ سے کیا مراد ہے، اس کا ذکر دوسرے مقام پر ان لفظوں میں ہے " اور جب اللہ نے اقرار لیا پیغمبروں کا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو سچا کرنے والا ہو اس چیز کا جو تمھارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے کہا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری کو اٹھایا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے کہا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر جو کوئی اس عہد سے پھر جائے تو وہی لوگ نافرمان ٹھہریں گے (آل عمران ۸۲) — اس عہد کا تعلق پیغمبروں کے واسطہ سے دراصل ان کے امتیوں سے تھا۔ چنانچہ دوسرے مقامات پر واسطہ کو حذف کر کے براہ راست پیغمبر کی امت کا ذکر کیا گیا ہے (مائدہ ۱۲)

جب کوئی حق کا داعی اٹھتا ہے تو وہ خلا میں نہیں اٹھتا۔ وہ ایسے لوگوں کے درمیان اٹھتا ہے جو پچھلے داعیانِ حق میں سے کسی نہ کسی سے اپنے کو منسوب کئے ہوتے ہیں۔ وہ اس یقین کے ساتھ جی رہے ہوتے ہیں کہ وہ عین حق پر ہیں اور انھوں نے اللہ کے برگزیدہ بندوں کا دامن تھام رکھا ہے۔ ان کی اس نفسیات کی وجہ سے نئے داعی کی آواز ان کو اپیل نہیں کرتی۔ وہ عقیدتیں اور وفاداریاں جو ماضی کی روایات پر قائم ہوں وہ ہمیشہ بہت طاقت ور ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ اس روایتی نظام کے ساتھ بے شمار فوائد اور مصلحتیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اجتماعی تعلقات کی بنیاد بن چکا ہوتا ہے۔ دوسری طرف نیا داعی ایک معمولی انسان نظر آتا ہے۔ اس سے اپنے آپ کو جوڑنا ایک ایسی حقیر چیز سے جوڑنے کے ہم معنی ہوتا ہے جس کی بظاہر کوئی قیمت نہ ہو، جو ماحول کے اندر اپنے کو بے زمین بنا لینے کے ہم معنی ہو۔ ان وجوہ سے کسی معاشرہ میں نئے داعیٔ حق کا اٹھنا اس معاشرہ کو سخت ترین آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اب خدا پرست ہونے کا ثبوت دینے کے لئے بالکل نیا معیار سامنے آجاتا ہے۔ وہ لوگ جو عظمتوں کے مینار کے سایہ میں اپنا دین پائے ہوئے تھے ان کو اللہ کی خاطر بے قیمت ہو جانے کی سطح پر اپنی دین داری کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ جو لوگ گدیوں والے دین پر اپنی نشستیں حاصل کئے ہوئے تھے، ان کو بے گھر ہو جانے والے دین پر اپنے کو قانع بنانا پڑتا ہے۔ جو لوگ مشہور و معروف بزرگوں سے وابستگی پر فخر کر رہے تھے۔ ان کو غیر معروف بزرگ سے وابستگی کی سطح پر اپنے کو اتارنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے ارادی فیصلہ کے بغیر وراثتی طور پر دین کو پا لیا تھا، اب ان کو شعور اور ارادہ کے تحت اللہ کے دین کو پہچاننے کے امتحان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ جن لوگوں نے محفوظ دنیوی مفادات کی زمین پر اپنی خدا پرستی کا جھنڈا گاڑ رکھا تھا، ان کو دنیا کی بربادی کی قیمت پر خدا کا پرستار بننا پڑتا ہے۔

# جب آدمی کے سینہ میں دل نہ ہو

اُطْلُبْ قَلْبَكَ فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرْآنِ وَفِي مَجَالِسِ الذِّكْرِ وَفِي أَوْقَاتِ الْخَلْوَةِ فَإِنْ لَمْ تَجِدْهُ فِي هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ فَسَلِ اللّٰهَ أَنْ يَمُنَّ عَلَيْكَ بِقَلْبٍ فَإِنَّهُ لَا قَلْبَ لَكَ (عبداللہ بن مسعود)

تین مواقع پر تم اپنے دل کو تلاش کرو۔ قرآن سننے کے وقت، ذکر کی مجلسوں میں اور تنہائی کے اوقات میں۔ اگر ان مواقع پر تم اس کو نہ پاؤ تو اللہ سے دعا کرو کہ وہ تم کو ایک دل دیدے۔ کیوں کہ تمھارے پاس دل نہیں ہے۔

انسان کے سینہ میں دل اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ خدا کی تجلیات کا مسکن بنے۔ دل گویا خدا کا گھر ہے۔ اس لئے جب خدا کا کلام پڑھا جائے تو چاہئے کہ انسان کا دل اس سے دہل اٹھے۔ جب خدا کا چرچا کیا جائے تو دل اس کی عظمت کے احساس سے تڑپ اٹھے۔ جب آدمی اپنی تنہائیوں میں ہو تو اس کا دل خدا کو اپنا ہم نشین پائے اور اس پر وہ تجربات گزریں جو خدا کی یاد سے قلب انسانی پر گزرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی کا دل زندہ ہے۔ وہ فی الواقع صاحب دل ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل مرچکا ہے اس کو وہ دل حاصل نہیں جو خدا کی تجلیات کا مہبط بن سکے۔ وہ لمحات جب کہ دل کے تار خصوصی طور پر جاگ اٹھتے ہیں، اس وقت بھی اس کے دل کے تار نہیں جاگتے۔ وہ یاد دلانے والے مواقع جب کہ انسان خدا کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے، وہ بھی اس کو خدا کی یاد دلانے والے ثابت نہیں ہوتے۔ ایسے آدمی کو جاننا چاہئے کہ وہ اپنی سب سے قیمتی متاع (دل) سے محروم ہوگیا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ جس چیز کی دعا کرنی چاہئے وہ یہ کہ اس کا رب اس کو ایک دل عطا کر دے۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

# کائنات خاموش زبان میں کہتی ہے

ڈھاک ایک معمولی درخت ہے۔ مگر اس کے اوپر بے حد حسین پھول اگتے ہیں۔ موسم خزاں کے پت جھڑ کے بعد اس کا درخت لیتا ہے ایک سوکھی لکڑی کی مانند، اس سے بھی زیادہ وہ ایک سوکھی زمین پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک خاموش انقلاب ہوتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر نہایت خوش رنگ پھول اس کی شاخوں میں کھل اٹھتے ہیں۔ سوکھی لکڑی کا ایک ڈھانچہ لطیف اور رنگین پھولوں سے ڈھک جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ایک محروم اور بے قیمت وجود کے لئے خدا نے خصوصی طور پر اپنی خوب صورت چھتری بھیج دی ہے۔

ایسا شاید اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی بندۂ خدا اس کو دیکھ کر کہے ـــــ "خدایا! میں بھی ایک ڈھاک ہوں، تو چاہے تو میرے اوپر حسین پھول کھلا دے۔ میں ایک ٹھنٹھ ہوں، تو چاہے تو مجھ کو سرسبز و شاداب کردے۔ میں ایک بے معنی وجود ہوں، تو چاہے تو میری زندگی کو معنویت سے بھر دے۔ میں جہنم کے کنارے کھڑا ہوں، تو چاہے تو مجھ کو جنت میں داخل کر دے (ہمناڈ ۲۴ مارچ ۱۹۷۹)

ooo

# جب تمام حقیقتیں کھل جائیں گی

قرآن میں ارشاد ہوا ہے ——— "جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ کو نکال ڈالے گی۔ اس وقت آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔ اس دن زمین سب خبریں بتا دے گی۔ کیوں کہ تمھارے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس دن لوگ مختلف جماعتوں میں آئیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا (زلزال) دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:
اور جس روز اللہ کے دشمن آگ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے پھر وہ جدا جدا کئے جائیں گے۔ پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان پر گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اسی اللہ نے بلوایا ہے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔ اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو۔ تم دنیا میں اس سے چھپ نہ سکتے تھے کہ تمھارے کان اور آنکھیں اور چمڑے تمھارے خلاف گواہی دیں۔ بلکہ تم اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمھارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں۔ تمھارے اس گمان نے جو تم نے اپنے رب سے کیا تھا تم کو ہلاک کیا۔ پس آج تم خسارہ میں پڑ گئے۔ یہ لوگ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر عذر کرنا چاہیں تو اب کوئی عذر مقبول نہیں۔ ہم نے دنیا میں ان کے کچھ ساتھی مقرر کر دئے تھے جو انھیں آگے اور پیچھے ہر چیز خوش نما بنا کر دکھاتے تھے۔ ان کے حق میں اللہ کا قول پورا ہو کر رہا۔ جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں پر پورا ہوا تھا۔ یقیناً وہ سب خسارے میں رہے (حم سجدہ)

دنیا میں آدمی ظالمانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ وہ سچائی کے پیغام کو ٹھکراتا ہے۔ وہ حق دار کو اس کا حق ادا کرنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ جس پر قابو پا جاتا ہے اس کے اوپر خداوند بننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو صداقت کا معیار بنا لیتا ہے۔ وہ دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے کہ وہ یہاں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔ مزید یہ کہ ہر آدمی کے پاس الفاظ کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے جس سے وہ اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو چھپا سکے۔ ہر آدمی کے پاس خوبصورت تاویلات ہیں جن سے وہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر سکے۔ یہ سب کچھ یہاں بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہا ہے مگر ساری کائنات خاموش کھڑی ہوئی اس کو دیکھ رہی ہے۔ درختوں کی پتیاں مظلوم کی حمایت میں نہیں بولتیں۔ سورج اور چاند حق کی طرف سے اپنا کوئی بیان نہیں دیتے۔ زمین و آسمان اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ایک غیر جانب دار تماشائی کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ دنیا میں بولنے والی زبان صرف ایک ہی نظر آتی ہے اور وہ انسان کی زبان ہے۔ مگر انسان کا یہ حال ہے کہ وہ حق کی پامالی کو دیکھتا ہے اور اس سے بے تعلقی ظاہر کرتا ہے۔ وہ خود غرضیوں اور مصلحتوں کے تحت بولتا ہے۔ وہ طاقت ور کی طرف داری کرتا ہے خواہ وہ باطل پر ہو اور کمزور کو نظر انداز کرتا ہے خواہ وہ حق پر ہو۔ ایک ایسی کائنات جہاں چڑیوں کے سریلے نغمے بلند ہوتے ہوں۔ جہاں سورج روزانہ اندھیرے کو اجالے میں لے آتا ہو، وہاں کوئی حق کی حمایت میں بولنے والا نہیں۔ وہاں کوئی بے انصافی

کا پردہ پھاڑنے والا نہیں۔

آنے والی قیامت اسی سوال کا جواب ہے۔ قیامت کے دن کائنات کا مالک اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس دن حق کی حکمرانی ہوگی۔ اس دن زمین و آسمان کی تمام چیزیں بول پڑیں گی۔ حتیٰ کہ آدمی کے اپنے اعضاء بھی سچائی کی گواہی دینے لگیں گے۔ اس کے بعد عزت والا وہ ہوگا جو خدا کے نزدیک حق پر تھا اور وہ تمام لوگ ذلت کے ابدی عذاب میں دھکیل دئے جائیں گے جو خدا کے نزدیک ناحق پر چل رہے تھے۔

ایک عظیم الشان شہر ہے۔ ہر قسم کی رونقوں سے بھرا ہوا۔ اس کے بعد اچانک بھونچال آتا ہے۔ پورا شہر خاک کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو شہر کی سڑکوں پر عالی شان سواریوں میں دوڑتے تھے ان کی حقیقت ایک بے زور کیڑے سے زیادہ نہ تھی۔ ان کے اونچے اونچے سجے ہوئے مکانات اینٹ پتھر کے ملبہ سے زیادہ حقیقت نہ رکھتے تھے۔ ان کا صدر اور گورنر بھی اتنا ہی بے قیمت تھا جتنا ایک عام مزدور۔ زلزلہ نے شہر کی تمام مصنوعی شان و شوکت کو باطل کر دیا۔ اس کے بعد جو بچا وہ وہی تھا جو شہر کی اصل حقیقت تھی۔

قیامت بھی اسی قسم کا ایک زلزلہ ہے۔ قیامت کیا ہے۔ پردہ کا ہٹا دیا جانا، تمام غیر واقعی چیزوں کا باطل کر دیا جانا۔ موجودہ دنیا میں آدمی اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ اصل حقیقتیں اس سے اوجھل ہیں۔ خدا اور آخرت کا عالم جو اصل عالم ہے، وہ یہاں مکمل طور پر غیب میں ہے۔ انسان نظر آتا ہے مگر خدا نظر نہیں آتا۔ قیامت کے آتے ہی یہ حالت بدل جائے گی۔ خدا اپنے تمام جلال کے ساتھ سامنے آجائے گا۔ جنت، دوزخ، فرشتے، سب آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔ اس حقیقی عالم کی نسبت سے انسان کی جو اصل حیثیت ہے وہ پوری طرح کھل جائے گی۔ دنیا میں آدمی اپنے حقیقی وجود کو ایک ظاہری پردہ میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ بے زور ہو کر بھی زور آور دکھائی دیتا ہے آخرت میں وہ اپنے اصلی اور حقیقی روپ میں بے پردہ ہو جائے گا۔ آدمی اپنی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے جیسا ہے، ویسا ہی وہ ظاہر کے اعتبار سے ہو جائے گا۔ اس سے بچے ہوئے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کو رب العالمین اپنی رحمتوں میں لے لے، جن کو وہ اپنی مغفرت میں ڈھانپ لے۔

موجودہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ اس امتحان کی وجہ سے لوگوں کو آزادی ہے۔ اس وقتی آزادی سے فائدہ اٹھا کر ہر آدمی اچھل کود رہا ہے۔ مگر جب امتحان کی کاپی چھین لی جائے گی تو آدمی اپنے آپ کو اس اصلی مقام پر کھڑا ہوا پائے گا جہاں وہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے تھا۔

کیسا عجیب وہ وقت ہوگا ـــــــ کتنے شان دار قلعے اس دن ملبہ کا ڈھیر ہوں گے۔ کتنے "بڑے" اس دن کیڑے مکوڑوں کی مانند رینگ رہے ہوں گے۔ کتنے خوش پوشاک اس دن گدھوں اور کتوں کی طرح دکھائی دیں گے۔ کتنے زبان آور اس دن گونگوں کی مانند کھڑے ہوں گے۔ کتنے "دین دار" اس دن اس طرح نظر آئیں گے جیسے ان کا دین خداوندی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ کتنے اپنی دولت پر ناز کرنے والے اس دن اس حال میں ہوں گے کہ ان کے پاس ایک کوڑی بھی نہ ہوگی جس سے وہ آخرت کی دنیا کی کوئی چیز حاصل کر سکیں۔

## MOHAMMAD:
## ON TOP OF THE HUNDRED BESTS

(Mohammad) was the only man in history who was supremely successful on both the religious and the secular levels. Of humble origins, Mohammad founded and promulgated one of the world's greatest religions and became an immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive. The Bedouine tribesmen of Arabia had been no match for the larger armies of the kingdomes in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Mohammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. For a while, it must have seemed that the Muslims would overwhelm all of Christian Europe. However, in 732, at the famous battle of Tours, a Muslim army which had advanced into the centre of France, was at last defeated by the Franks. Nevertheless, in a scant century of fighting, these Bedouin tribesmen,, inspired by the word of the prophet, had carved out an empire stretching from the borders of India to the Atlantic ocean--the largest empire that the world had yet seen. Of many important historical events, one might say that they were inevitable and would have occured even without the particular political leader who guided them. But this cannot be said of the Arab conquests. Nothing similar had occured before Mohammad, and there is no reason to believe that the conquests would have been achieved without him We see then, that The Arab conquests of the seventh century have continued to play an important role in human history, down to the present day. It is this unparalleled combination of secular and religious influence which I feel entitles Mohammad to be considered the most influential single figure in human history.

Dr. Michael H. Hart, The 100, New York 1978

# آپ سب سے بڑے تھے

میرا یہ انتخاب کہ محمدؐ دنیا کی تمام انتہائی با اثر شخصیتوں میں سر فہرست ہیں، کچھ قارئین کو اچنبھے میں ڈال سکتا ہے۔ کچھ اور لوگ اس پر معترض ہو سکتے ہیں۔ مگر محمدؐ تاریخ کے واحد شخص تھے جنھوں نے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی، مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی۔ محمدؐ نے معمولی حیثیت سے آغاز کر کے ایک عظیم ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا۔ وہ انتہائی موثر سیاسی لیڈر بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد آج بھی ان کے اثرات غالب اور طاقتور ہیں۔

اس کتاب میں جن اہم تاریخی شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، ان کی اکثریت اس خوش قسمتی کی مالک تھی کہ وہ تہذیب کے مرکزوں میں پیدا ہوئی اور وہاں پلی بڑھی۔ وہ ایسی قوموں کے فرد تھے جن میں اعلیٰ تمدن تھا یا ان کو سیاسی مرکزیت حاصل تھی۔ مگر محمدؐ ۵۷۰ء میں مکہ کے شہر میں پیدا ہوئے جو جنوبی عرب میں واقع تھا اور اس وقت دنیا کا ایک پس ماندہ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ تجارت، آرٹ اور علم میں اس کو کوئی مرکزیت حاصل نہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں یتیم ہو کر ان کی پرورش ایک معمولی ماحول میں ہوئی۔ اسلامی روایات مزید بتاتی ہیں کہ وہ بے پڑھے لکھے تھے۔ ان کی اقتصادی حالت ۲۵ سال کی عمر میں صرف اس وقت بہتر ہوئی جب کہ انھوں نے ایک دولت مند بیوہ سے شادی کی جن کی عمر ۴۰ سال تھی۔ تاہم چالیس سال کی عمر تک بظاہر کوئی ایسی علامت نہ تھی کہ وہ کوئی ممتاز شخصیت کے انسان ہیں۔

بیشتر عرب اس وقت آسمانی کتاب سے محروم تھے۔ وہ بہت سے دیوتاؤں پر عقیدہ رکھتے تھے۔ تاہم مکہ میں محدود تعداد میں کچھ یہودی اور عیسائی تھے۔ محمدؐ نے سب سے پہلے انھیں سے واحد اور قادر مطلق خدا کا تصور لیا جو تمام کائنات کا حکمراں تھا۔ جب ان کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو محمدؐ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک سچا خدا (اللہ) ان سے کلام کر رہا ہے۔ اور اس نے سچے مذہب کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب کر لیا ہے۔

تین سال تک محمدؐ صرف اپنے قریبی دوستوں اور متعلقین پر تبلیغ کرتے رہے۔ پھر تقریباً ۶۱۳ء میں انھوں نے عوام میں تبلیغ شروع کی۔ دھیرے دھیرے لوگوں نے ان کے مذہب کو قبول کرنا شروع کیا تو مکہ کے سرداران کو اپنے لئے ایک خطرناک مصیبت سمجھنے لگے۔ ۶۲۲ء میں محمدؐ کو اپنی حفاظت کا خطرہ محسوس ہونے لگا اور وہ مدینہ چلے گئے جو مکہ کے شمال میں تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں ان کو قابل لحاظ سیاسی طاقت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

یہ ہجرت پیغمبر کی زندگی میں ایک نقطۂ انقلاب تھا۔ مکہ میں ان کے ساتھیوں کی تعداد صرف چند تھی۔ مدینہ میں ان کے ساتھیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے جلد اتنا اثر پیدا کر لیا کہ عملاً وہ مدینہ کے مطلق حکمراں بن گئے۔ اگلے چند سال میں، جب کہ محمدؐ کے ساتھیوں کی تعداد تیزی سے بڑھی، مدینہ اور مکہ کے درمیان جنگوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا یہ جنگ ۶۳۰ء میں ختم ہوئی جب کہ محمدؐ دوبارہ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ان کی زندگی کے بقیہ ڈھائی سالوں میں عرب قبیلے بہت تیزی سے ان کے نئے مذہب میں داخل ہو گئے۔ ۶۳۲ء میں جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو وہ تمام جنوبی عرب کے حکمراں بن چکے تھے۔

عرب کے بدو قبائل ماضی سے سخت جنگ جو چلے آرہے تھے۔ مگر ان کی تعداد کم تھی اور وہ اختلاف اور باہمی لڑائیوں کے نتیجہ میں برباد ہورہے تھے۔ وہ شمالی عرب کے زرعی علاقوں میں آباد شہنشاہیتوں کی بڑی فوجوں سے کوئی نسبت نہ رکھتے تھے۔ تاہم محمدؐ نے پہلی بار ان کو منظم کیا۔ ایک خدا پر پُر جوش اعتقاد سے مسلح ہو کر یہ چھوٹی عرب فوجیں انسانی تاریخ کی سب سے حیرت ناک فتوحات کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کی عظیم نو پارسی شہنشاہیت تھی، عرب کے شمال جنوب میں بازنطینی یا مشرقی رومی شہنشاہیت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ عددی اعتبار سے عرب اپنے حریفوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم جنگ کے میدان میں پُر جوش عربوں نے بہت تیزی سے تمام میسوپوٹامیہ، شام اور فلسطین کو فتح کر لیا۔ ۶۴۲ میں مصر کو بازنطینی سلطنت سے توڑ لیا گیا۔ ایرانی فوجیں ۶۳۷ میں قادسیہ اور ۶۴۲ میں نہاوند کی جنگوں میں پسپا کر دی گئیں۔

مگر یہ عظیم فتوحات، جو کہ محمدؐ کے قریبی ساتھیوں اور ابتدائی خلفاء ابو بکرؓ اور عمر بن الخطابؓ کی رہنمائی میں انجام پائیں، عرب پیش قدمیوں کی انتہا نہ تھیں۔ ۷۱۱ تک عرب فوجوں نے شمالی افریقہ سے لے کر بحر اٹلانٹک تک مکمل طور پر فتح کر لیا تھا۔ یہاں سے وہ شمال میں مڑے اور آبنائے جبرالٹر کو پار کرتے ہوئے اسپین کی گاتھ سلطنت کو مغلوب کر کے اس پر قبضہ حاصل کر لیا۔

تھوڑی دیر کے لئے محسوس ہونے لگا کہ مسلمان تمام مسیحی یورپ پر قابض ہو جائیں گے۔ مگر ۷۳۲ میں تورس کی مشہور جنگ میں ایک مسلمان فوج، جو کہ فرانس کے مرکز تک پہنچ چکی تھی، بالآخر فرانسیسیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئی۔ تاہم ان بدو قبائل نے، جو کہ پیغمبر کی تعلیمات سے متاثر تھے، ایک صدی کی قلیل مدت میں ایک ایسی سلطنت قائم کر لی جو ہندستان کی سرحدوں سے لے کر بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اتنی بڑی سلطنت تھی جیسی سلطنت اس سے پہلے تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ تمام ممالک جو عربوں نے فتح کئے، ہر جگہ بہت بڑے پیمانہ پر لوگوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا۔

یہ تمام فتوحات مستقل ثابت نہ ہو سکیں۔ ایرانی اگرچہ پیغمبرؐ کے مذہب پر قائم رہے، تاہم انھوں نے عربوں کے اقتدار سے آزادی حاصل کر لی۔ اسپین میں سات سو سال کی جنگوں کے بعد آخر کار عیسائیوں نے پورے جزیرہ نما کو دوبارہ فتح کر لیا۔ تاہم میسوپوٹامیہ اور مصر جو کہ قدیم تہذیب کے گہوارہ رہے ہیں، بدستور عرب باقی رہے اور اسی طرح شمالی افریقہ کا پورا ساحلی علاقہ بھی۔ نیا مذہب، بلاشبہ درمیانی صدیوں میں مسلمانوں کی ابتدائی مقبوضہ سرحدوں سے بہت آگے تک پھیلتا رہا۔ آج اس کے ماننے والوں کی تعداد افریقہ اور وسط ایشیا میں دسیوں ملین ہے اور پاکستان اور شمالی ہندوستان اور انڈونیشیا میں اور بھی زیادہ ہے۔ انڈونیشیا میں اسلام ایک اتحادی عامل ثابت ہوا ہے۔ تاہم برصغیر ہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کشاکش اتحاد کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ رہی ہے۔

اب اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محمدؐ کے اثرات مجموعی طور پر انسانی تاریخ کے اوپر کیا ہیں۔ تمام مذاہب کی طرح اسلام اپنے پیروؤں کی زندگی کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے بانیوں نے

ہماری اس کتاب میں نمایاں طور پر جگہ پائی ہے۔ چوں کہ عیسائی سرسری اندازہ کے مطابق، دنیا میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تقریباً دگنی تعداد میں ہیں۔ ابتدائی طور پر یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ محمدؐ کو ہم نے اس کتاب میں مسیحؑ سے اوپر رکھا ہے۔ ہمارے اس فیصلہ کے دو بڑے وجوہ ہیں۔ اول محمدؐ نے اسلام کی ترقی میں اس سے کہیں زیادہ اہم حصہ ادا کیا ہے جتنا مسیحؑ نے عیسائی مذہب کی ترقی کے لئے کیا ہے۔ مسیحیت کی بنیادی اخلاقیات، جس حد تک وہ یہودیت سے مختلف ہیں، ان کی تعلیم اگرچہ حضرت مسیح نے دی۔ مگر مسیحی الٰہیات کا وضع کرنے والا اصلاً سینٹ پال ہے۔ وہی اس کا اصل مبلغ ہے اور عہد نامہ جدید کے بڑے حصہ کا مصنف بھی۔

مگر اسلام کی الٰہیات اور اس کے بنیادی اخلاقی اصول دونوں کو دینے والے خود محمدؐ تھے۔ مزید یہ کہ نئے مذہب کی تبلیغ میں انھوں نے کلیدی حصہ ادا کیا اور اسلام کے مذہبی اعمال کو قائم کیا۔ پھر وہی ہیں جو کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کے مصنف ہیں، جو کہ محمدؐ کے کچھ واردات قلب کا ریکارڈ ہے اور جس کی بابت ان کا یقین تھا کہ وہ براہ راست خدا کی طرف سے ان پر الہام کیا گیا ہے۔ ان الہامات کا اکثر حصہ محمدؐ کی زندگی ہی میں صحت کے ساتھ لکھ لیا گیا تھا اور ان کی وفات کے جلد ہی بعد ان کو ایک مستند مجموعہ کی صورت میں مرتب کر لیا گیا۔ اس لئے قرآن قریبی طور پر محمدؐ کے خیالات اور تعلیمات کی نمائندگی کرتا ہے اور بڑی حد تک ان کے بولے ہوئے اصل الفاظ کا بھی۔ مسیحؑ کی تعلیمات کے بارے میں اس قسم کا تفصیلی مجموعہ موجود نہیں۔ قرآن چوں کہ مسلمانوں کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ بائبل مسیحیوں کے لئے۔ اس لئے قرآن کے واسطے سے مسلمانوں کے اوپر محمدؐ کا اثر غیر معمولی رہا ہے۔ اغلب ہے کہ محمدؐ کے اضافی اثرات اسلام پر اس سے بہت زیادہ ہوں جتنا کہ مسیحؑ اور سینٹ پال کا مجموعی اثر مسیحیت پر۔ البتہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالص مذہبی سطح پر محمدؐ کے اثرات انسانی تاریخ پر اتنے ہی ہیں جتنے مسیحؑ کے ہیں۔ مزید یہ کہ محمدؐ (بمقابلہ مسیحؑ کے) دنیاوی لیڈر بھی تھے اور مذہبی لیڈر بھی۔ درحقیقت عرب فتوحات کے پیچھے قوت محرکہ کی حیثیت سے ان کو تمام زمانوں میں سب سے زیادہ با اثر سیاسی لیڈر کہا جا سکتا ہے۔

اکثر اہم تاریخی واقعات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناگزیر تھے اور جس خاص سیاسی لیڈر نے اس کی رہنمائی کی، اس کے بغیر بھی وہ وقوع میں آتے۔ مثال کے طور پر، جنوبی امریکہ اس وقت بھی اسپین سے آزادی حاصل کر لیتا اگر سائمن بولیور کا سرے سے وجود نہ ہوتا۔ مگر یہی بات عرب فتوحات کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ محمدؐ سے پہلے عرب میں اس قسم کا کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور یہ یقین کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ ان کے بغیر بھی یہ فتوحات حاصل ہوتیں۔ انسانی تاریخ میں اس سے ملتی جلتی فتوحات صرف منگولوں کی ہیں جو انھوں نے تیرھویں صدی میں حاصل کیں۔ یہ فتوحات بنیادی طور پر چنگیز خاں کے اثر سے ہوئیں۔ تاہم یہ فتوحات عربوں کی فتوحات سے وسیع تر ہونے کے باوجود مستقل قائم نہ رہ سکیں اور آج منگولوں کے پاس صرف وہی علاقے ہیں جو ان کے پاس چنگیز خاں سے پہلے تھے۔

عربوں کی فتوحات کا معاملہ بالکل مختلف ہے، عراق سے مراکش تک عرب قوموں کا ایک پورا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو نہ صرف اسلام میں اپنے عقیدہ کی وجہ سے متحد ہیں بلکہ عربی زبان، تاریخ اور کلچر بھی سب کا ایک ہے۔ مسلم مذہب میں قرآن

کی مرکزیت اور یہ واقعہ کہ وہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے ، اس نے غالباً عربی کو اس سے بچایا ہے کہ وہ مختلف اور ایک دوسرے کے لئے ناقابل فہم زبانوں میں تقسیم ہو جائے۔ حالاں کہ درمیانی تیرہ صدیوں میں ایسا ہونا بالکل قرین قیاس تھا۔ عرب ریاستوں میں اختلافات اور تقسیمیں یقیناً موجود ہیں اور وہ قابل لحاظ ہیں، مگر جزئی عدم اتحاد کو دیکھ کر ہمیں اتنا اندھا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ان اہم اتحادی اجزاء کو نہ دیکھیں جو مسلسل ان کے درمیان پائے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۷۴-۱۹۷۳ کی سردیوں میں عربوں نے تیل کا بائیکاٹ کیا تو ایران اور انڈونیشیا اس میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ تمام عرب ریاستیں اور صرف عرب ریاستیں اس منصوبہ میں شریک ہوئیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ساتویں صدی میں عربوں کی فتوحات انسانی تاریخ میں مسلسل اہم حصہ ادا کر رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ مذہبی اور دنیاوی اثرات کا یہی بے نظیر اجتماع ہے جو میری نظر میں محمد کو اس لائق بناتا ہے کہ ان کو تاریخ کا سب سے زیادہ با اثر واحد شخص قرار دیا جائے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

---

یہ مضمون مائیکل ہارٹ (پیدائش ۱۹۳۲) کی کتاب ایک سو (The 100) سے ماخوذ ہے۔ مصنف ایک امریکی عالم فلکیات ہیں اور اسی کے ساتھ مورخ بھی۔ انھوں نے اور ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیوی نے مل کر دنیا کی مشہور شخصیتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعہ کا حاصل انھوں نے ۵۷۲ صفحات کی ایک انگریزی کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک سو ایسے آدمیوں کے حالات درج ہیں جنھوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر نمایاں ترین اثرات ڈالے۔ کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ مصنف کے مطالعہ کے مطابق وہ تاریخ کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ انسانی تاریخ پر آپ نے جو اثرات ڈالے وہ کسی دوسرے واحد شخص نے نہیں ڈالے۔ اس کتاب میں نمبر ۳ پر حضرت مسیحؑ، نمبر ۱۶ پر حضرت موسیٰؑ اور نمبر ۵۱ پر حضرت عمر بن الخطابؓ کو رکھا گیا ہے۔ یہاں کتاب کے اس حصہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ اس کتاب کی قیمت ساڑھے بارہ ڈالر ہے۔ کتاب میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ تاہم طریق مطالعہ کے اعتبار سے اس میں وہ خامیاں موجود ہیں جو غیر مسلم سیرت نگاروں کے یہاں اکثر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ آپ نے ابتداءً یہودیوں اور عیسائیوں سے توحید کا تصور لیا۔ یا یہ کہ آپ قرآن کے مصنف تھے۔ یہ باتیں نہ صرف ہمارے عقائد کے خلاف ہیں بلکہ خالص علمی پہلو سے بھی بالکل بے بنیاد ہیں اور ان کے رد میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان مزعومات کے علمی اور تاریخی طور پر باطل ثابت ہونے کے باوجود مغربی علماء کیوں انھیں دہراتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا مخصوص ذہن ہے، وہ "علم" کے کسی غیر زمینی ماخذ کو نہیں مانتے۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص نے زمین سے ماوراء کسی ذریعہ سے کیسے علم حاصل کر لیا۔ جب آدمی کے ذہن میں کوئی بات بیٹھ جائے تو اس کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کتنی ہی مدلل ہو، اس کے ذہن کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ اپنی بات کو اس طرح دہراتا رہتا ہے جیسے کہ وہ بدستور ایک مسلمہ صداقت ہے۔ خواہ اس کو کتنے ہی معقول دلائل سے رد کیا جا چکا ہو۔ (مترجم)

# عید: نئی زندگی کے آغاز کا دن ہے

عید آغازِ حیات کا دن ہے۔ روزہ کا مہینہ احتساب کا مہینہ ہے اور عید کا دن اس کے بعد نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا۔

روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کے لئے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ اپنی فطری ضروریات تک میں کمی کر دے۔ رمضان کا اعتکاف اسی کی انتہائی صورت ہے جب کہ بندہ ماسوا سے قطع تعلق کر کے خدا کے گھر میں آکر پڑ جاتا ہے۔ اس کا مطلب لوگوں کو رہبان بنانا نہیں ہے۔ یہ "حساب کئے جانے سے پہلے اپنا حساب کرلو" کا ایک وقتی لمحہ ہے تاکہ مستقل زندگی کے لئے لوگوں کو تیار کیا جائے۔ عید کا دن اس وقتی لمحہ کا خاتمہ ہے جب کہ مسلمان نئے شعور اور نئی قوت عمل کے ساتھ از سرِ نو زندگی کے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس اور صبر اور تعلق باللہ کی جو دولت اس نے روزہ کے ذریعہ پائی ہے، اس کو ساری زندگی میں پھیلانے کے لئے دوبارہ دنیا کے ہنگاموں میں واپس آجاتا ہے ــــــ روزہ وقتی طور پر عالمِ مادی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالمِ مادی میں لوٹ آنا ہے۔ روزہ جس طرح محض بھوک پیاس نہیں ہے۔ اسی طرح عید محض کھیل تماشے کا نام نہیں ہے۔ روزہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش ہے اور عید اس نئے بہتر سال کا آغاز ہے جو روزہ کے بعد روزہ داروں کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

آئیے ہم عید سے اپنی نئی زندگی شروع کریں۔ عید کے دن کو اپنی دینی و ملی تعمیر کے آغاز کا دن بنائیں۔ آج ہم نئی ایمانی قوت اور نئے عملی حوصلہ کے ساتھ زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں۔ ہمارا سینہ خدا کے نور سے روشن ہو۔ ہماری مسجدیں خدا کے ذکر سے آباد ہوں۔ ہمارے گھر تقویٰ اور تواضع کے گھر بن جائیں۔ اللہ کے لئے ہم سب ایک ہو کر وہ جدوجہد شروع کریں جس کے نتیجہ میں ہم کو دنیا میں اللہ کی نصرت ملتی ہے اور آخرت میں اللہ کی جنت۔ روزہ کے بعد عید کا آنا روزہ داروں کے لئے خوش خبری ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اعلان ہے کہ اگر ہم نے روزہ کی اسپرٹ کو زندگی میں استعمال کیا تو ہم دونوں جہان کی خوشیوں سے ہم کنار ہوں گے۔

عید ایک خوش خبری ہے۔ اس بات کی خوش خبری کہ ہم خوشی کو پا سکتے ہیں، ہم خوشی کی طرف بڑھ رہے ہیں، ہم خوشی کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ مگر منزل تک پہنچنے کے لئے ابھی ہم کو ایک جست لگانی ہے۔ روزہ نے صبر اور تعلق باللہ کی جو طاقت دی ہے اس کو بھرپور استعمال کیجئے۔ اور اس کے بعد آپ کامیابی کی آخری منزل پر ہوں گے۔ ●

# روس میں مسلمان بڑھ رہے ہیں

روس کی آبادی اس وقت ۲۵ کروڑ ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں میں آزادانہ تعلقات کے رجحان نے پیدائش کے تناسب کو موت کے تناسب سے کم کر دیا ہے۔ یہ صورت حال بے حد تشویش ناک ہے۔ چنانچہ روسی حکومت پچھلے چند سال سے بچوں کی پیدائش پر بہت زور دے رہی ہے۔ حتیٰ کہ نئے بچہ کی پیدائش پر خصوصی انعام دیا جاتا ہے۔

روسی حکمرانوں کی یہ کوشش کامیاب ہوئی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس کا فائدہ زیادہ تر مسلمانوں کے حصہ میں چلا گیا ہے۔ تازہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ زیادہ بچہ پیدا کرنے والی عورتیں زیادہ تر مسلمان ہیں۔ یہ تناسب اگر جاری رہے تو ایک اندازہ کے مطابق، ۲۵ سال میں سوویت یونین میں مسلم آبادی ایک سو ملین تک جا پہنچے گی۔ جب کہ وہاں کی موجودہ مسلم آبادی ۵۰ ملین ہے۔ صیہونی عالمی کانگرس کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اگر پیدائش کی موجودہ رفتار جاری رہے تو اس صدی کے آخر تک ہر تین روسی شہریوں میں سے ایک روسی مسلمان ہو گا (کریسنٹ، ٹورنٹو)

مستقبل میں مسلم غلبہ کے خطرہ سے بچنے کے لئے روسی حکومت نے ایک نئی مہم شروع کی ہے جس کا نام ہے روسیانا (Russification) اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے روکا جائے کہ وہ ملک میں اتنی اکثریت حاصل کر لیں کہ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے زور پر اپنا علیحدہ تشخص (Seperate Identity) قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

روسی حکومت کی پریشانی کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ روس کا مغربی ایشیائی حصہ جہاں مسلمان زیادہ آباد ہیں، وہ قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔ یہ علاقہ نہ صرف کپاس اور زرعی پیداوار کے لئے اہمیت رکھتا ہے بلکہ کئی بڑے بڑے تیل کے چشمے بھی اس میں واقع ہیں۔ تاہم روسی بنانے کی مہم ابھی تک بالکل ناکام ثابت ہوئی ہے۔ مذہبی عبادات اور رسوم، جن پر حکومت نے پابندیاں لگائی ہیں، وہ پوشیدہ طور پر پہلے سے زیادہ رائج ہو گئی ہیں (ٹائمس آف انڈیا ۲۴ مارچ ۱۹۷۹)

اسلامی زندگی فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جہان کی سعادتوں کا مجموعہ ہے جب کوئی فرد یا کوئی سماج اسلامی زندگی اختیار کرتا ہے تو وہ کائنات کے پورے نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے وہ دنیا میں کوئی فساد پیدا نہیں کرتا اور آخرت میں بننے والے معیاری سماج کے لئے بھی قابل قبول ٹھہرتا ہے۔ اس کے برعکس غیر اسلامی طریقے فطرت سے ہٹے ہوئے طریقے ہیں۔ وہ طرح طرح کے بے شمار مسائل پیدا کرتے ہیں

جس سماج میں نکاح کو بے جا قید سمجھ لیا جائے اور آزادانہ شہوت رانی کو پسند کیا جانے لگے وہاں قدرتی طور پر بچے ناخواندہ مہمان سمجھے جانے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں آبادی میں کمی ہونا شروع ہوتی ہے اور بالآخر قومی طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔ مستقل صنفی تعلق کے بجائے آزادانہ صنفی تعلقات وجود میں آتے ہیں جس کی وجہ سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لوگ گھریلو ذمہ داریوں سے بھاگنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیدا شدہ بچوں کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا۔ بچے خودرو پودوں کی طرح اگتے ہیں، سماجی وفاداریوں کا ان کے اندر کوئی شعور نہیں ہوتا۔ وہ صرف ملک کے جرائم میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ جوانی کی عمر میں مردوں کو گرل فرینڈ اور عورتوں کو بوائے فرینڈ ملتے رہتے ہیں۔ مگر جب شباب کی کشش ختم ہوتی ہے تو مرد و عورت دونوں اکیلے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

# کام سے پہلے کام کی بنیاد تیار کیجئے

علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام ۱۸۷۵ میں ہوا۔ ۱۹۲۰ میں مسلم یونیورسٹی وجود میں آئی۔ مگر مسلمانوں کے اس سب سے بڑے تعلیمی ادارہ میں تجارتی تعلیم (کامرس) کا شعبہ پہلی بار ۱۹۴۵ میں قائم ہو سکا۔ یعنی ادارہ کے ابتدائی قیام کے ۷۰ سال بعد۔

یونیورسٹی میں تجارتی شعبہ کے قائم ہونے کا لطیفہ بڑا سبق آموز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) مجوزہ میڈیکل کالج کے چندہ کے لئے مختلف شہروں کا دورہ کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ کان پور پہنچے۔ وہاں چندہ کی مہم کے دوران ایک تاجر نے پوچھا "آپ کو اپنے میڈیکل کالج کے لئے سب سے زیادہ چندہ کس طبقہ سے ملا" ڈاکٹر ضیاء الدین نے بتایا کہ تاجروں سے۔ تاجر نے کہا: جب قومی منصوبوں میں زیادہ تعاون آپ کو تاجروں سے ملتا ہے تو قوم کو تجارتی ترقی کی راہ پر لانے کے لئے آپ اپنی یونیورسٹی میں تجارتی تعلیم کا شعبہ کیوں نہیں کھولتے۔ اس واقعہ سے سابق وائس چانسلر کو احساس ہوا اور واپس آکر انھوں نے اس کی کوشش شروع کی یہاں تک کہ ۱۹۴۵ میں پہلی بار مسلم یونیورسٹی میں کامرس کا شعبہ کھولا گیا۔

یہ واقعہ اگرچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر صرف جزئی طور پر صادق آتا ہے۔ مگر ہماری عام قیادت کی وہ مکمل تصویر ہے۔ ہمارے لیڈروں کا یہ حال ہے کہ ان کی ساری بنیاد قومی چندہ پر قائم ہے۔ وہ آئے دن قوم سے چندہ مانگنے کے لئے نئی نئی اسکیمیں لے کر اٹھتے رہتے ہیں۔ مگر یہ لیڈر اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار نہیں سمجھتے کہ وہ قوم کو چندہ دینے کے قابل بنانے کے لئے بھی ان کے درمیان کوئی منصوبہ چلائیں اور اس کے لئے جدوجہد کریں۔

کسی منصوبہ کی کامیابی سے پہلے یہ ضروری ہے کہ قوم کو اس کے لئے تیار کیا جا چکا ہو۔ اگر آپ "مسلمانوں کا انگریزی اخبار" وجود میں لانا چاہتے ہیں تو یہ اسی وقت ممکن ہے کہ مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہو جو انگریزی میں اخبار کے مطالعہ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک مسلم یونیورسٹی حقیقی معنوں میں مسلم یونیورسٹی رہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے کہ آپ مسلم نوجوانوں میں محنت اور جدوجہد کا اتنا حوصلہ پیدا کر دیں کہ وہ امتیازی لیاقت پیدا کر کے مسلسل اس پر اپنا قبضہ باقی رکھ سکیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اردو زبان باقی رہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے کہ عوام میں اردو لٹریچر کی طلب اتنی بڑھ جائے کہ خود اپنے بل پر اس کے تحفظ کا انتظام ہو جائے۔

یہی معاملہ ملی تعمیر کے تمام شعبوں کا ہے۔ اگر آپ ملت کو اوپر اٹھانا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے فرد کو اٹھانے کا انتظام کیجئے۔ اگر آپ ملی ترقی کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے ابتدائی سطح پر ضروری تیاریاں کر لیجئے۔ "چھت" والے آپ اسی وقت بن سکتے ہیں جب کہ "بنیاد" کی سطح پر آپ نے اپنے حصہ کا کام پورا کر لیا ہو۔

# پہلے کچھ سہنا پڑتا ہے

بعض قوموں میں گودنا گدانے کا رواج ہے، پہچان کے لئے یا تبرک کے لئے جسم کے کسی حصہ پر خاص شکلیں یا نام بنوا لیتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مطلوبہ شکل کے مطابق پہلے سوئی سے چھید کیا جاتا ہے اور پھر ان چھیدوں میں مسالہ بھر دیا جاتا ہے۔ اس طرح کالے رنگ کا نقشہ بن جاتا ہے جو عمر بھر رہتا ہے۔

قصہ ہے کہ ایک آدمی گودنا گودنے والے کے پاس گیا اور کہا کہ میرے ہاتھ پر شیر کی شکل بنا دو۔ گودنے والے نے اپنی سوئی اٹھائی اور نشان لگانا شروع کیا۔ سوئی کی چبھن آدمی کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ اس نے کہا "کیا بنا رہے ہو" گودنے والے نے کہا "دم"۔ آدمی نے کہا "کیا دم کے بغیر شیر نہیں ہوتا"۔ گودنے والے نے کہا اچھا۔ اور دوسری چیز بنانے لگا۔ اب پھر سوئی کی نوک چبھنے لگی۔ آدمی نے کہا اب کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا "پاؤں"۔ آدمی نے کہا "کیا پاؤں ضروری ہے"۔ گودنے والے نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب وہ دوسری چیز گودنے لگا۔ آدمی کے اندر پھر بے چینی پیدا ہوئی۔ اس نے کہا "اب کیا بنا رہے ہو"۔ اس نے کہا "جبڑا"۔ آدمی نے کہا کیا جبڑا ضروری ہے۔ تم بغیر جبڑے ہی کے شیر بنا دو"۔ غرض اس طرح وہ ایک ایک چیز کو منع کرتا گیا اور بالآخر یہ ہوا کہ شیر کی تصویر نہ بن سکی، صرف چند متفرق نشانات اس کے ہاتھ پر بن کر رہ گئے ــــــ ہر مقصد کے لئے ابتداءً کچھ سہنا پڑتا ہے۔ اگر آدمی سہنے کے لئے تیار نہ ہو تو وہ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

عبدالحمید چھوٹانی (پیدائش ۱۹۲۳) پاکستان کے ایک ممتاز سائنس داں ہیں۔ وہ ممبئی آئے۔ اس موقع پر ایک اخباری رپورٹر نے ان سے انٹرویو لیتے ہوئے سوال کیا: "انجینیرنگ کے میدان میں پاکستان اتنا پیچھے کیوں ہے"۔ مسٹر چھوٹانی نے جواب دیا: "یہ صحیح ہے کہ ہم انجینیرنگ میں ابھی تک قابل قدر ترقی حاصل نہ کر سکے۔ اس کی خاص وجہ ہے ہمارے یہاں بنیاد (Base) کی کمزوری۔ اکادکا انڈسٹری سے آخر کتنی ترقی کی امید کی جا سکتی ہے (اخبار عالم ۱۴ اپریل ۱۹۷۹)

یعنی تعلیم گاہیں اسی وقت انجینیر زیادہ پیدا کریں گی جب کہ ان کی کھپت کے لئے ملک میں زیادہ صنعتیں بھی موجود ہوں۔ صنعتوں کی کمی ہو تو کوئی ملک زیادہ انجینیر پیدا نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ہر کام کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ بنیاد کے بغیر کوئی اقدام کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ مثلاً جمہوری دور میں سیاست کی بنیاد عوامی رائے ہے۔ اگر آپ کو عوامی ووٹروں کی اکثریت حاصل نہ ہو تو گویا آپ کے پاس وہ بنیاد ہی نہیں ہے جس پر الیکشن لڑے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر آپ الکشن میں کود دیں تو لازماً آپ ہاریں گے اور اگر آپ کے اندر اعتراف کا مادہ نہیں ہے تو مزید یہ حماقت کریں گے کہ اپنی ہار کو چھپانے کے لئے یہ شور کریں گے کہ الکشن میں دھاندلی ہوئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر موقع ملے گا تو فوج سے ساز باز کر کے مقبول عوام لیڈروں کو قتل کرائیں گے تاکہ آپ عوامی بنیاد نہ ہونے کے باوجود حکومت کی گدی پر پہنچ سکیں۔ اگرچہ اس قسم کی کوشش کبھی کسی کے لئے نتیجہ خیز نہیں ہوئی ہے۔ مستقبل کے اعتبار سے، یہ ملک کی بربادی ہے اور بالآخر خود اپنے آپ کی بھی۔

# ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

## ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

# داعی کا مقام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ سخت ترین واقعات پیش آئے۔ وقت کی جابر سلطنت کے مقابلہ میں وہ بالکل بےیار و مددگار ہوگئے۔ پھر بھی اللہ نے معجزاتی طور پر ان کو بچالیا۔ مصر سے نکل کر وہ ایک ایسے غیر آباد علاقہ میں پہنچے جہاں خشک بیابان اور چٹیل پہاڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مگر اللہ نے چٹانوں کے اندر سے ان کے لئے پانی کے چشمے جاری کردئے اور ان کی غذا کے لئے اوپر سے من و سلویٰ نازل فرمایا۔

بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ قرآن میں محض ایک قصہ کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس میں بہت بڑا سبق ہے۔ یہ تاریخ کی زبان میں داعی کے مقام کو بتایا گیا ہے۔ اللہ کے پیغام کا علم بردار بننے کے لئے آدمی کو اللہ کی سطح پر جینا پڑتا ہے۔ اس کو اپنے آپ کو عالم آخرت سے اتنا زیادہ متعلق کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ دنیا کے سرے اس کے ہاتھ سے چھوٹنے لگتے ہیں۔ حق کا داعی وہی شخص بن سکتا ہے جو اپنے آپ کو اتنا زیادہ غیر اللہ سے کاٹے اور اللہ کے ساتھ اپنے کو اتنا زیادہ جوڑے کہ اس کی ہستی تمام تر اللہ رب العالمین کے اوپر زیر ہوجائے۔ وہ عجز کے اس مقام پر پہنچ جائے جہاں خدا کی نصرت ہی اس کے لئے واحد سہارا ہو۔ اس کا شعورِ احتیاج اتنا کامل ہوجائے کہ پانی کا ہر گھونٹ اس کو خدا کی طرف سے اترا ہوا گھونٹ معلوم ہونے لگے، کھانے کا ہر لقمہ جو وہ اپنی حلق سے اتارے، اس کو محسوس ہو کہ یہ براہ راست اس کے پاس خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ عبدیت کے اس کامل شعور کی سطح پر آدمی کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں، اسی کا نام دعوت ہے۔ اس کے بغیر جو لکھا یا بولا جائے وہ تصنیف اور تقریر ہے نہ کہ اللہ کے پیغام کی پیغام رسانی۔

ایک راہ گیر نے دیکھا کہ ریلوے کا پل ٹوٹ گیا ہے۔ اتنے میں اس کو ایک اکسپریس ٹرین طوفانی رفتار کے ساتھ آتی ہوئی نظر آئی۔ اس وقت سیکڑوں مسافروں سے لدی ہوئی ٹرین کو بچانے کی ایک ہی صورت تھی: وہ اپنے خون سے اپنے کپڑے کو لال کرے اور اس کو لے کر ریلوے لائن پر کھڑا ہوجائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ راہ گیر نے اپنے خون کی قیمت دے کر اپنے آپ کو وہاں پہنچا دیا جہاں امکانی طور پر دوسرے مسافر پہنچنے والے تھے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا کہ وہ دوسرے مسافروں کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کرے۔ ایک شخص جو آگ میں جل رہا ہو وہی یہ کہہ سکتا ہے کہ "آگ جلاتی ہے"۔ وہ شخص جس پر جلنے کا تجربہ نہیں گزرا، اس کے لئے "آگ جلاتی ہے" کا جملہ محض دور کا ایک جملہ ہے، وہ آگ کے جلانے کی خبر نہیں ہے۔ داعی اگر اپنے دنیوی امکانات کو بچانے کی خاطر زمانہ سازی کرے، وہ اپنے دنیوی نقصانات کی خاطر لوگوں سے لڑے، وہ عوامی مقبولیت کو باقی رکھنے کے لئے ان کی پسندیدہ بولی بولنے لگے۔ وہ بربادی کے اندیشہ کی بنا پر مصلحت پرستی کا طریقہ اختیار کرے۔ تو یہ اس کے مشن کی نفی کے ہم معنی ہوگا۔ اس طرح وہ اپنے ظاہری فائدوں کو محفوظ کرلے گا۔ مگر اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ داعیانہ تجربات سے محروم ہوجائے گا۔ وہ زبان سے آخرت کی بات کرے گا مگر عملاً دنیا میں جی رہا ہوگا۔ وہ لفظی طور پر اپنے آپ کو خدا کا داعی ظاہر کرے گا مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کا پورا وجود غیر اللہ میں اٹکا ہوا ہوگا۔ وہ تحریر و تقریر میں حق پرستی کی نمائندگی کرے گا مگر اپنی روزمرہ کی زندگی میں وہ خود پسندی

اور مفاد پرستی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی بربادی کی قیمت پر ہی آخرت کی آبادی کا پیغام دیا جا سکتا ہے۔ جو اپنے آپ کو دنیا کی بربادی سے بچائے، وہ گویا اپنے آپ کو مقام دعوت تک پہنچنے سے بچا رہا ہے۔ ایسے شخص کا دعوتی تقریر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص رات دن دنیا کو سمیٹنے میں لگا ہوا ہو اور دوسرے سے کہے کہ زہد اور قناعت کا طریقہ اختیار کرو۔

کسی بندۂ خدا کی زبان سے حق کی آواز کا اٹھنا مدعو کے اعتبار سے اس کے اوپر خدا کی حجت کا اتمام ہے۔ اور داعی کے اعتبار سے اس کو دعوت حق کا کریڈٹ دینا ہے۔ بندوں کی نظر میں کوئی دعوت اسی وقت دعوت ہے جب کہ وہ شاعری اور تفریح کی سطح پر نہ دی جا رہی ہو بلکہ حقیقی زندگی کی سطح پر کسی روح سے ابلی ہو۔ اسی طرح کوئی بندہ اللہ کی نظر میں اسی وقت دعوتی شرف کا مستحق بنتا ہے جب کہ وہ اللہ کا ہم صحبت بن کر دعوت خداوندی کے لئے اٹھا ہو۔ اس کے بغیر نہ بندوں کی نظر میں اس کی کوئی قیمت ہے اور نہ اللہ کی نظر میں۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| من احبَّ دنیاہ اضرَّ بآخرتہ ومن احبَّ آخرتہ اضرَّ بدنیاہ فآثروا ما یبقیٰ علیٰ ما یفنیٰ (مسند احمد، بیہقی) | جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو کھودے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو کھودے گا۔ پس جو باقی رہنے والا ہے اس کو ترجیح دو اس پر جو فنا ہونے والا ہے۔ |

جب آدمی دنیا میں آرام اور عزت سمیٹنا چاہتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخرت کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص کو آخرت کی فکر لگتی ہے تو بالکل قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی چیزوں کے لئے اس کی فکر کم ہو جاتی ہے اور نتیجۃً اس کو دنیا کے معاملہ میں نقصان پر قانع ہونا پڑتا ہے۔

یہی واقعہ داعی کے معاملہ میں مزید شدت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ ایک شخص جو ذاتی طور پر مومن و مسلم بننا چاہے، اس کے مقابلہ میں اس کی ذمہ داریاں کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہیں جو دوسروں کو ایمان و اسلام کی دعوت پہنچانا چاہتا ہو۔ عام آدمی اگر مومن ہے تو داعی کو شاہد بننا پڑتا ہے۔ دوسرے لوگ جس چیز پر صرف ایمان لائے ہوئے ہیں، داعی کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو "دیکھے" تاکہ دیکھی ہوئی چیز کی طرح وہ دوسروں کو اس کی بابت خبردار کر سکے۔

غیبی حقیقتوں کو اس دنیا میں صرف تصور کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ دیکھنا اس وقت وقوع میں آتا ہے جب کہ نظر آنے والی چیزوں سے وہ اپنی توجہ کو اتنا زیادہ ہٹائے کہ اس کی تمام توجہات عالم آخرت کی طرف لگ جائیں۔ آخرت کو دیکھنا صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی دنیا کو نہ دیکھنے پر راضی ہو جائے ــــــ دنیا کو کھونے والا ہی آخرت کو پاتا ہے اور جو شخص دنیا میں بے توجہ ہو جائے وہی وہ شخص بنتا ہے جو آخرت کو دیکھے اور دوسروں کو اسے دکھائے۔ جس کی نگاہیں دنیا میں اٹکی ہوئی ہوں، وہ کبھی آخرت کو دیکھنے والا نہیں بن سکتا۔ اس لئے وہ کبھی داعی کے مقام پر بھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ دعوت آخرت کی واحد قیمت بربادیٔ دنیا ہے۔ جو اپنی دنیا کو برباد کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس کو آخرت کی دعوت کے میدان میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ ●

# ایک معجزہ جو کبھی پیش نہیں آیا

ایک مصیبت زدہ بستی تھی۔ ڈاکوؤں نے اس کے باشندوں کے گھروں کو جلا دیا تھا۔ ان کی معاشیات تہس نہس ہوگئی تھیں۔ ان کو اپنے چاروں طرف ناکامی اور بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک روز اچانک بستی کے ایک بزرگ کو ایک معجزاتی تدبیر سوجھی۔ ان کو نظر آیا کہ بستی کے مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ وہ ہر روز کسی خالی میدان میں جا کر ۱۵ پھلجھڑیاں چھوڑیں۔ انھوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد ان کو اندازہ ہوا کہ ان کے پاس پھلجھڑیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اب وہ روزانہ ۱۰۱ پھلجھڑیاں چھوڑنے لگے۔ مزید اضافہ ہوا تو انھوں نے پھلجھڑیوں کی تعداد ۲۵۱ اور آخر میں ۳۰۱ کر دی۔ منصوبہ کامیاب رہا۔ ادھر وہ پھلجھڑیاں چھوڑتے رہے، اُدھر بستی کے مکانات کے ملبہ سے شاندار کوٹھیاں ابھرنا شروع ہوگئیں۔ لوگوں کی اجڑی ہوئی دکانیں از سر نو تعمیر ہو کر سامان سے اور گاہکوں سے بھر گئیں۔ ان کے نوجوان تعلیم و ترقی کے میدانوں میں بے روک ٹوک دوڑنے لگے۔ ہر طرف بستی کی عزت و اقبال کے جھنڈے لہرانے لگے۔ ان کے دشمن ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو گئے ــــ اس تمام کارروائی میں ۲۱۲۶ پھلجھڑیاں استعمال ہوئیں اور حیرت انگیز طور پر اس میں صرف دو ہفتے لگے۔ ۹ جولائی ۱۹۷۹ کو تاریخ انسانی کی یہ انوکھی مہم شروع ہوئی اور ۲۵ جولائی ۱۹۷۹ کو شان دار کامیابیوں کے ساتھ ختم ہوگئی۔

اس بے نظیر کامیابی پر شاعروں نے اشعار لکھے۔ بیان دینے والوں نے بیانات دیئے۔ تقریر کرنے والوں نے تقریریں کیں۔ بزرگ کے اپنے اخبار نے موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ اس کے فاتحانہ کارنامے شائع کئے۔ مگر بستی والے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: "یہ معجزہ کہاں پیش آیا۔ ہم کو اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اب بھی اسی بُری حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے مکانات اب بھی ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہماری دکانیں اب بھی اجڑی ہوئی ہیں۔ ہمارے بچوں کا مستقبل اب بھی اسی طرح غیر یقینی ہے جس طرح وہ پہلے غیر یقینی تھا۔ یہ انوکھا معجزہ شاید ایک انوکھا راز بھی ہے جس کو صرف پھلجھڑی سیاست کے ماہرین ہی جان سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا۔

---

## آدمی الفاظ پا لیتا ہے

صدر سادات نے ایک تقریر میں کہا: مصر اب تک ایک نامعلوم خوف و ہراس میں مبتلا تھا جس کی وجہ سے مصر ٹھہر کر رہ گیا تھا۔ اب مصر کو اس خوف سے نجات مل گئی ہے۔ اب ہم فخر کے ساتھ ایک نئے مصر کی تعمیر کر سکتے ہیں (۱۹ جولائی ۱۹۷۹) مصر اور اسرائیل کے درمیان سمجھوتہ بہت سے لوگوں کے نزدیک عرب مفادات سے غداری ہے۔ مگر اسی واقعہ کے بارے میں صدر سادات نے یہ الفاظ پا لئے کہ وہ مصر کے لئے نئے شان دار دور کا دروازہ کھولتا ہے۔

# جنت میں کون لوگ آباد کیے جائیں گے

آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور عاقبت صرف ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ جو شخص بھلائی لے کر آیا تو اس کو ملے گا اس سے بہتر اور جو بدی لے کر آیا تو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے (قصص ۸۳ - ۸۴)

موجودہ زندگی میں جو لوگ اس بات کا ثبوت دیں کہ وہ گھمنڈ کی نفسیات سے پاک ہیں اور وہ بگاڑ کا مزاج نہیں رکھتے ہیں، ان کو جنت کی نفیس اور لطیف آبادیوں میں بسایا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ گھمنڈ کو اپنی غذا بنائیں، جن کی فسادی کارروائیوں سے ان کے پڑوسیوں اور ان کے متعلقین کو امن حاصل نہ ہو وہ جہنم کے پرعذاب ماحول میں پھینک دئے جائیں گے۔

بڑا بننے کا مطلب کیا ہے۔ کوئی بھی شخص خدا کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا نہیں بتاتا۔ نہ کوئی یہ دعویٰ لے کر اٹھتا کہ وہ زمین و آسمان یا سورج اور چاند سے بڑا ہے۔ بڑائی کا اظہار ہمیشہ انسان کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ آدمی کا بڑا بننا یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے اوپر اپنا اقتدار قائم کرے۔ حالاں کہ وہ صرف عاجز اور بے طاقت وجود کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ کسی انسان کی طرف سے آئی ہوئی تنقید کے اوپر بھڑ اٹھے۔ حالاں کہ کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو تنقید سے بالاتر ہو۔ اس کے پاس حق کا پیغام آئے تو وہ اس کو ماننے سے انکار کردے حالاں کہ عبدیت کا تقاضا ہے کہ آدمی حق کے آگے جھک جائے۔ کسی کے زبان یا قلم سے اس کے احساس برتری کو ٹھیس پہنچے تو وہ اس کو بخشنے کے لئے تیار نہ ہو۔ حالاں کہ برتری کا حق اس دنیا میں صرف ایک اللہ کو ہے۔

زمین میں فساد برپا کرنا کیا ہے۔ یہ کہ معاملات اور برتاؤ میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے جو خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کے خلاف ہو۔ قرآن کے مطابق فساد کی کچھ صورتیں یہ ہیں: اللہ سے نڈر ہو کر زندگی گزارنا (اعراف ۵۶) اللہ کے راستہ سے روکنا (نحل ۸۸) دلیل آجانے کے بعد اس کو نہ ماننا (آل عمران ۶۳) داعی کو حقیر سمجھ کر نظرانداز کرنا (اعراف ۷۴) کرشمے دکھا کر لوگوں کو حق سے پھیرنا (یونس ۸۱) کبر اور ظلم کی وجہ سے حق کا انکار کرنا (نمل ۱۴) شریف آدمیوں کو بے عزت کرنا (نمل ۳۴) چال بازی کا طریقہ اختیار کرنا (بقرہ ۱۱) رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا (محمد ۲۲) دوسرے کا مال تیرانا (یوسف ۷۳) کھیتی کو ویران کرنا اور انسان کو قتل کرنا (بقرہ ۲۰۵) عہد کرنے کے بعد اس کو توڑنا (رعد ۲۵) اسراف کا طریقہ اختیار کرنا (شعراء ۱۵۲) مال و دولت پر فخر کرنا (قصص ۷۷) قوت و طاقت کا غلط استعمال کرنا (فجر ۱۲) کمزوروں کا استحصال کرنا (بقرہ ۲۰۵) باہمی لڑائی پیدا کرنا (مائدہ ۶۴) اختلاف و انتشار برپا کرنا (اعراف ۱۴۲) ناپ تول میں کمی کرنا (ہود ۸۵) کسی کی نسل ختم کرنے کی کوشش کرنا (قصص ۴) مال کو صرف دنیا کے مقاصد میں خرچ کرنا (قصص ۷۷) وغیرہ ●

# تذکیر القرآن

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمھاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں سے کھاؤ فراغت کے ساتھ جہاں سے چاہو۔ اور اس درخت کے نزدیک مت جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے اس درخت کے ذریعہ دونوں کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور ان کو اس عیش سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا تم سب اترو یہاں سے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ اور تمھارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور کام چلانا ہے ایک مدت تک۔ پھر آدم نے سیکھ لئے اپنے رب سے چند بول تو اللہ اس پر متوجہ ہوا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا تم سب یہاں سے اترو۔ پھر جب آئے تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ انکار کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۳۹-۳۴

---

آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کے درمیان کھڑا کیا اور سجدہ کے امتحان کے ذریعہ آدم کو عملی طور پر بتایا کہ ان کے لئے زمین پر دو ممکن راہیں ہوں گی۔ ایک فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کے سامنے جھک جانا، خواہ اس کا مطلب اپنے سے کمتر ایک بندے کے آگے جھکنا کیوں نہ ہو۔ دوسرا ابلیس کی طرح اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کے آگے جھکنے سے انکار کر دینا۔ انسان کی پوری زندگی اسی امتحان کی رزم گاہ ہے۔ یہاں ہر وقت آدمی کو دو رویوں میں سے کسی ایک رویہ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ ایک ملکوتی رویہ، یعنی دنیا کی زندگی میں جو معاملہ بھی پیش آئے ، اللہ کے حکم کی تعمیل میں آدمی حق و انصاف کے آگے جھک جائے۔ دوسرا شیطانی رویہ، یعنی جب کوئی معاملہ پیش آئے تو آدمی کے اندر حسد اور گھمنڈ کی نفسیات جاگ اٹھیں اور وہ ان کے زیر اثر آ کر صاحب معاملہ کے آگے جھکنے سے انکار کر دے۔

ممنوعہ درخت کا معاملہ بھی اسی ذیل کا ایک عملی سبق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے بھٹکنے کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ وہ شیطان کے ورغلانے میں آجائے اور اس حد میں قدم رکھ دے جس میں جانے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ "منع کئے ہوئے پھل" کو کھاتے ہی آدمی اللہ کی نصرت، بالفاظ دیگر جنت کے استحقاق سے محروم ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ محرومی ایسی نہیں ہے جس کی تلافی نہ ہو سکتی ہو۔ یہ امکان آدمی کے لئے پھر بھی کھلا رہتا ہے کہ وہ دوبارہ اپنے رب کی طرف لوٹے اور اپنے رویہ کو درست کرتے ہوئے اللہ سے معافی کا طلب گار ہو۔ جب بندہ اس طرح پلٹتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف پلٹ آتا ہے اور اس کو اس طرح پاک کر دیتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا تھا۔

کسی انسانی آبادی میں اللہ کی دعوت کا اٹھنا بھی اسی قسم کا ایک سخت امتحان ہے۔ داعیٔ حق بھی گویا ایک "آدم" ہوتا ہے جس کے سامنے لوگوں کو جھک جانا ہے۔ اگر وہ اپنے کبر اور اپنے تعصب کی وجہ سے اس کا اعتراف نہ کریں تو گویا انھوں نے ابلیس کی پیروی کی۔ خدا اس دنیا میں عیاناً سامنے نہیں آتا، وہ اپنی نشانیوں کے ذریعہ لوگوں کو جانچتا ہے۔ جس نے خدا کی نشانی میں خدا کو پایا اسی نے خدا کو پایا اور جس نے خدا کی نشانی میں خدا کو نہیں پایا وہ خدا سے محروم رہا۔

اے بنی اسرائیل ! یاد کرو میرے اس احسان کو جو میں نے تمھارے اوپر کیا۔ اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا۔ اور میرا ہی ڈر رکھو۔ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے اتاری ہے۔ تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو تمھارے پاس ہے۔ اور تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو۔ اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا۔ اور مجھ سے ڈرو۔ اور صحیح میں غلط کو نہ ملاؤ اور سچ کو نہ چھپاؤ حالاں کہ تم جانتے ہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ۔ تم لوگوں سے نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں۔ اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ بھاری ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو ڈرنے والے ہیں۔ جو گمان رکھتے ہیں کہ ان کو اپنے رب سے ملنا ہے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۴۶ - ۴۰

---

کسی گروہ پر اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ وہ اس کے پاس اپنا پیغمبر بھیجے اور اس کے ذریعے اس گروہ کے اوپر ابدی فلاح کا راستہ کھولے۔ نبی آخر الزماں کی بعثت سے پہلے یہ نعمت بنی اسرائیل (یہود) کو دی گئی تھی مگر مدت گزرنے کے بعد ان کا دین ان کے لیے ایک قسم کی تقلیدی رسم بن گیا تھا نہ کہ شعوری فیصلہ کے تحت اختیار کی ہوئی ایک چیز۔ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے حقیقت کھول دی۔ ان میں سے جن افراد کا شعور زندہ تھا وہ فوراً آپ کی صداقت کو پہچان گئے اور آپ کے ساتھی بن گئے۔ اور جن لوگوں کے لیے ان کا دین آبائی رواج بن چکا تھا ان کو آپ کی آواز نامانوس آواز لگی۔ وہ بدک گئے اور آپ کے مخالف بن کر کھڑے ہو گئے۔

اگرچہ آپ کی نبوت کے بارے میں تورات میں اتنی واضح علامتیں تھیں کہ یہود کے لیے آپ کی صداقت کو سمجھنا مشکل نہ تھا، مگر دنیوی مفاد اور مصلحتوں کی خاطر انھوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ صدیوں کے عمل سے ان کے یہاں جو مذہبی ڈھانچہ بن گیا تھا اس میں ان کو سرداری حاصل ہو گئی تھی۔ وہ بزرگوں کی گدیوں پر بیٹھ کر عوام کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ مذہب کے نام پر طرح طرح کے نذرانے سال بھر ان کو ملتے رہتے تھے۔ ان کو نظر آیا کہ اگر انھوں نے نبی عربی کو سچا مان لیا تو ان کی مذہبی بڑائی ختم ہو جائے گی، مفادات کا سارا ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا۔ یہود کو چوں کہ اس وقت عرب میں مذہب کی نمائندگی کا مقام حاصل تھا، لوگ ان سے نبی عربی کی بابت پوچھتے۔ وہ معصومانہ انداز میں کوئی ایسی شوشہ کی بات کہہ دیتے جس سے پیغمبر کی ذات اور آپ کا مشن لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہو جائے۔ اپنے وعظوں میں وہ لوگوں سے کہتے کہ حق پرست بنو اور حق کا ساتھ دو۔ مگر عملاً جب خود ان کے لیے حق کا ساتھ دینے کا وقت آیا تو وہ حق کا ساتھ نہ دے سکے۔

خدا کی پکار پر لبیک کہنا جب اس قیمت پر ہو کہ آدمی کو اپنی زندگی کا ڈھانچہ بدلنا پڑے، عزت و شرف کی گدیوں سے اپنے کو اتارنا ہو تو یہ وقت ان لوگوں کے لیے بڑا سخت ہوتا ہے جو انھیں دنیوی جلووں میں اپنا مذہبی مقام بنائے ہوئے ہوں، مگر وہ لوگ جو خشوع کی سطح پر جی رہے ہوں ان کے لیے یہ چیزیں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ وہ اللہ کی یاد میں، اللہ کے لیے خرچ کرنے میں، اللہ کے حکم کے آگے جھک جانے میں اور اللہ کے لیے صبر کرنے میں وہ چیز پا لیتے ہیں جو دوسرے لوگ دنیا کے تماشوں میں پاتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ ڈرنے کی چیز اللہ کا غضب ہے نہ کہ دنیوی اندیشے۔

اے بنی اسرائیل میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تمھارے اوپر کیا اور اس بات کو کہ میں نے تم کو دنیا والوں پر فضیلت دی۔ اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی۔ نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی۔ اور نہ اس سے بدلے میں کچھ لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔ اور جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے چھڑایا۔ وہ تم کو بڑی تکلیف دیتے تھے۔ تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو جیتی رکھتے۔ اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بھاری آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے دریا کو پھاڑ کر تمھیں پار کرایا۔ پھر بچایا تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھتے رہے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ کیا چالیس رات کا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کے بعد تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر گزار ہو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور فیصلہ کرنے والی چیز۔ تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مجرموں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو۔ یہ تمھارے لئے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ تو اللہ نے تمھاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تمھارا یقین نہیں کریں گے جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں تو تم کو بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمھاری موت کے بعد تم کو اٹھایا تاکہ تم شکر گزار ہو۔ اور ہم نے تمھارے اوپر بدلیوں کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ستھری چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا، وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ۷ ۵ ۔ ۴۷

---

یہود کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا پر فضیلت دی تھی۔ یعنی ان کو اپنے اس خاص کام کے لئے چنا تھا کہ ان کے پاس اپنی وحی بھیجے اور ان کے ذریعہ دوسری قوموں کو اپنی مرضی سے باخبر کرے۔ پھر اس منصب کی نسبت سے ان کو اور بہت سی نعمتیں اور سہولتیں دی گئیں ——— اپنے دشمنوں پر غلبہ، وقتی لغزشوں سے درگزر، غیر معمولی حالات میں غیر معمولی نصرت اور "خداوند کی طرف سے ان کے لئے روٹی کا انتظام" وغیرہ۔ اس سے یہود کی اگلی نسلیں اس غلط فہمی میں پڑ گئیں کہ ہم اللہ کی خاص امت ہیں۔ ہم ہر حال میں آخرت کی کامیابی حاصل کریں گے۔ مگر خدا کے اس قسم کے معاملات کسی کے لئے پشتینی نہیں ہوتے۔ کسی گروہ کے اگلے لوگوں کا فیصلہ ان کے پچھلے لوگوں کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر فرد کا الگ الگ ہوتا ہے۔ خدا کے انصاف کا دن اتنا سخت ہوگا کہ وہاں اپنے عمل کے سوا کوئی بھی دوسری چیز کسی کے کام آنے والی نہیں۔

سچی دین داری یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائے۔ اللہ کو دیکھے بغیر اللہ پر یقین کرے۔ آخرت کے حساب سے ڈر کر زندگی گزارے۔ پاک روزی سے اپنی ضروریات پوری کرے۔ جن لوگوں پر اس کو اختیار حاصل ہے ان کو جرم کرنے سے روک دے۔

اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو فراغت کے ساتھ اور داخل ہو دروازہ میں سر جھکائے ہوئے اور کہو کہ اے رب! ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔ تو انھوں نے بدل دیا اس بات کو جوان سے کہی گئی تھی دوسری بات سے۔ اس پر ہم نے ان لوگوں کے اوپر جنھوں نے ظلم کیا، ان کی نافرمانی کے سبب سے آسمان سے عذاب اُتارا۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو تو اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد مچانے والے بن کر۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب کو ہمارے لئے پکارو کہ وہ نکالے ہم کو جو اگتا ہے زمین سے، ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے ایک ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو۔ کسی شہر میں اترو تو تم کو ملے گی وہ چیز جو تم مانگتے ہو۔ اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد پر نہ رہتے تھے۔ یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی، ان میں سے جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور کام کیا نیک تو اس کے لئے اجر ہے اس کے رب کے پاس۔ اور ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۵۸ — ۶۲

---

یہود پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعامات کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ خدا کے شکر گزار بندے بنتے۔ مگر انھوں نے بالکل برعکس ثبوت دیا۔ ایک بڑا شہر ان کے قبضہ میں دے دیا گیا اور کہا گیا کہ اس میں داخل ہو تو فاتحانہ تمکنت سے نہیں بلکہ عجز کے ساتھ اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے۔ مگر وہ اس کے بجائے تفریحی کلمات بولنے لگے۔ ان کو من وسلویٰ کی قدرتی غذائیں دی گئیں تاکہ وہ معاشی جدوجہد سے فارغ رہ کر احکام الٰہی کی بجا آوری میں زیادہ سے زیادہ مشغول ہوں مگر انھوں نے چٹپٹے اور مسالہ دار کھانوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ انھوں نے دنیا میں ضرورت پر قناعت نہ کر کے لذت کی تلاش کی۔ ان کی بے حسی اتنی بڑھی کہ اللہ کی کھلی کھلی نشانیاں بھی ان کے دلوں کو پگھلانے کے لئے کافی ثابت نہ ہوئیں۔ ان کی تنبیہ کے لئے جو اللہ کے بندے اٹھے ان کو انھوں نے ٹھکرا یا حتیٰ کہ قتل کر ڈالا۔ یہود میں یہ ڈھٹائی اس لئے پیدا ہوئی کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ نجات یافتہ گروہ ہیں۔ مگر خدا کے یہاں نسلی اور گروہی بنیاد پر کوئی فیصلہ ہونے والا نہیں۔ ایک یہودی کو بھی اسی خدائی قانون سے جانچا جائے گا جس سے ایک غیر یہودی کو جانچا جائے گا۔ جنت اسی کے لئے ہے جو جنت والے عمل کرے نہ کہ کسی نسل یا گروہ کے لئے۔ زمین پر شکر، صبر، تواضع اور قناعت کے ساتھ رہنا زمین کی اصلاح ہے۔ اس کے برعکس ناشکری، بے صبری، گھمنڈ اور حرص کے ساتھ رہنا زمین میں فساد برپا کرنا ہے، کیونکہ اس سے خدا کا قائم کیا ہوا فطری نظام ٹوٹتا ہے۔

اور جب ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا اور طور پہاڑ کو تمہارے اوپر اٹھایا۔ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ، اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم بچو۔ اس کے بعد تم اس سے پھر گئے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم ہلاک ہو جاتے۔ اور ان لوگوں کا حال تم جانتے ہو جو سبت (سنیچر) کے معاملہ میں اللہ کے حکم سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہا کہ تم لوگ ذلیل بندر بن جاؤ۔ پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے روبرو تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آئے۔ اور اس میں ہم نے نصیحت رکھ دی ڈر والوں کے لئے ۶۶-۶۳

---

بائبل کی روایات بتاتی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جب یہود سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ خدائی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے تو "خدا نے پہاڑ کو ان کے اوپر الٹ کر اوندھا کر دیا اور ان سے کہا کہ توریت کو یا تو قبول کرو ورنہ یہیں تم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا (تالمود) یہی معاملہ ہر اس شخص کا ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ ایمان لانا گویا اللہ سے یہ عہد کرنا ہے کہ آدمی کا جینا اور مرنا خدا کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ یہ ایک بے حد سنگین اقرار ہے۔ اس میں ایک طرف عاجز بندہ ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ خدا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں آسمان و زمین کی طاقتیں ہیں۔ اگر بندہ اپنے عہد پر پورا اترے تو اس کے لئے خدا کی لازوال نعمتیں ہیں۔ اور اگر وہ عہد کر کے اس سے پھر جائے تو اس کے لئے یہ شدید خطرہ ہے کہ اس کا خدا اس کو جہنم میں ڈال دے جہاں وہ اس طرح جلتا رہے کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ اس کے لئے باقی نہ ہو۔

ایمانی عہد کے وقت حضرت موسیٰؑ کی قوم پر جو کیفیت گزری تھی وہی ہر بندۂ مومن سے مطلوب ہے۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ ایمان کی رسی میں باندھتا ہے، اس کو اس کی سنگینی سے اس طرح کانپنا چاہئے گویا کہ اس نے اگر اس عہد کے خلاف کیا تو "زمین و آسمان اس کے اوپر گر پڑیں گے"

ایک گروہ جس کو اللہ کی طرف سے شریعت دی جائے اس کی گمراہی کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ عملاً اس کے خلاف چلے اور تاویلوں کے ذریعہ یہ ظاہر کرے کہ وہ عین خدا کے حکم پر قائم ہے۔ یہود کو یہ حکم تھا کہ وہ سنیچر کے دن کو روزہ اور عبادت کے لئے مخصوص رکھیں۔ اس دن کسی قسم کا کوئی دنیوی کام نہ کریں۔ مگر انھوں نے اس حرمت کو باقی نہ رکھا۔ وہ دوسرے دنوں کی طرح سنیچر کے دن بھی اپنے دنیوی کاروبار کرنے لگے۔ البتہ وہ طرح طرح کی لفظی تاویلوں سے ظاہر کرتے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ عین خدا کے حکم کے مطابق ہے۔ ان کی یہ ڈھٹائی اللہ کو اتنی ناپسند ہوئی کہ وہ بندر بنا دئے گئے —— جب بھی آدمی شریعت سے انحراف کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو جانوروں کی سطح پر لے جاتا ہے جو کسی اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں ہیں۔ اس لئے جو لوگ شریعت کے ساتھ اس قسم کا کھیل کریں ان کو ڈرنا چاہئے کہ خدا کا قانون ان کو اسی حیوانی ذلت میں نہ مبتلا کر دے جس میں یہود اپنے اسی قسم کے فعل کی وجہ سے مبتلا ہوئے۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ انھوں نے کہا: کیا تم ہم سے ہنسی کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسا نادان بنوں، انھوں نے کہا، اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہم سے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ موسیٰ نے کہا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچہ۔ ان کے بیچ کی ہو۔ اب کر ڈالو جو حکم تم کو ملا ہے۔ انھوں نے کہا، اپنے رب سے درخواست کرو، وہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہو۔ موسیٰ نے کہا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ گہرے زرد رنگ کی ہو، دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو۔ انھوں نے کہا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہم سے بیان کر دے کہ وہ کیسی ہو۔ کیوں کہ گائے میں ہم کو شبہ پڑ گیا ہے۔ اور اللہ نے چاہا تو ہم راہ پالیں گے۔ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ محنت کرنے والی نہ ہو، زمین کو جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی دینے والی نہ ہو۔ وہ سالم ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انھوں نے کہا: اب تم واضح بات لائے۔ پھر انھوں نے اس کو ذبح کیا۔ اور وہ ذبح کرتے نظر نہ آتے تھے۔ اور جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا، پھر ایک دوسرے پر اس کا الزام ڈالنے لگے۔ حالاں کہ اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے۔ پس ہم نے حکم دیا کہ مارو اس مردے کو اس گائے کا ایک ٹکڑا۔ اس طرح زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو۔ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھر کی مانند ہو گئے یا ان سے بھی زیادہ سخت۔ پتھروں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں، بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو ۲۷ — ۶۷

---

حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں قتل کا ایک واقعہ ہوا۔ قاتل کا پتہ لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کے واسطہ سے ان کو یہ حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کا گوشت مقتول پر مارو، مقتول اللہ کے حکم سے قاتل کا نام بتا دے گا۔ یہ ایک معجزاتی تدبیر تھی جو چند مقاصد کے لیے اختیار کی گئی (۱) مصریوں کے اثر سے بنی اسرائیل میں گائے کے مقدس ہونے کا ذہن پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ اس واقعہ کے ذیل میں ان کے ہاتھ سے گائے کو ذبح کرا کے اس تقدس کو توڑا جائے (۲) یہ سبق دینا مقصود تھا کہ اللہ کی طرف سے جب کوئی حکم آئے تو اس کو سادہ معنوں میں لے کر فوراً اس کی تعمیل کر دو۔ اگر حکم کی تفصیلات اور حدود متعین کرنے کے لیے موشگافیاں کیں تو ایک سادہ حکم بھی شرائط کا اضافہ ہوتے ہوتے ایک سخت حکم بن جائے گا۔ (۳) اس واقعہ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو بتایا گیا کہ اللہ کس طرح مرنے کے بعد آدمی کو زندہ کرکے دوبارہ اٹھائے گا۔

فطرت کا ہر واقعہ اللہ کی ایک نشانی ہے۔ اگر آدمی اللہ کی نشانیوں سے سبق لے تو اس کا دل نرم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ نشانیوں سے عبرت نہ پکڑے تو اس کا دل سخت ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ وہ اس قابل نہیں رہتا کہ ہدایت کی کوئی بات قبول کر سکے۔

کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ یہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے۔ حالاں کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ اللہ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو بدل ڈالتے تھے سمجھنے کے بعد، اور وہ جانتے ہیں۔ جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم ان کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں کہ وہ تمہارے رب کے پاس تم سے حجت کریں۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان میں ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو مگر آرزوئیں۔ ان کے پاس گمان کے سوا اور کچھ نہیں۔ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی پونجی حاصل کرلیں۔ پس خرابی ہے اس چیز کی بدولت جو ان کے ہاتھوں نے لکھی۔ اور ان کے لئے خرابی ہے اپنی اس کمائی سے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔ کہو کیا تم نے اللہ کے پاس سے اس کے لئے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ یا اللہ کے اوپر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ ہاں جس نے کوئی برائی کی اور اس کے گناہ نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے، وہ جنت والے لوگ ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۷۵ - ۸۲

---

کوئی بات خواہ کتنی ہی سچی ہو، اس کا انکار کرنے کے لئے آدمی کچھ نہ کچھ الفاظ پا لیتا ہے۔ یہی تاویل و توجیہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑا اعتماد ہے جس کے اوپر آدمی حق کا انکار کرتا ہے۔ اسی تاویل و توجیہ کی آخری صورت کا نام تحریف ہے۔ یہ ذہنیت بالآخر اللہ کے معاملہ کی سنگینی کو دل سے نکال دیتی ہے۔ آدمی خدا کے حکم کو سنتا ہے اور لفظی تاویلات کے ذریعہ یہ ظاہر کرتا رہتا ہے کہ اس کا اپنا معاملہ اس کی زد میں نہیں آتا۔ وہ خدا کا نام لیتا ہے مگر اس کی قساوت اس کو ایسے ایسے کاموں کے لئے ڈھیٹ بنا دیتی ہے کہ یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ فی الواقع یہ مانتا ہے کہ خدا سنتا اور دیکھتا ہے۔ جب کوئی گروہ اس نوبت کو پہنچتا ہے تو اس کے عوام خوش گمانیوں میں جینے لگتے ہیں اور خواص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ دین کو تجارت بنا لیتے ہیں، ٹھیک ویسے ہی جیسے کوئی شخص دنیوی مال کو تجارت بناتا ہے، وہ عزت، شہرت، دولت کے لئے متحرک ہوتے ہیں۔ مگر ان کا خدا کی پکڑ سے بے خوف دل اس کو اس طرح بیان کرتا ہے گویا کہ یہی دین فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اتنی بڑی ڈھٹائی پر ان کو کیا چیز آمادہ کرتی ہے، وہ یہ عقیدہ کہ جہنم کا عذاب ہمارے لئے نہیں ہے، وہ صرف دوسروں کے لئے ہے۔ اس خود ساختہ عقیدہ کے نتیجہ میں وہ بھول جاتے ہیں کہ خدا اس سے بلند ہے کہ کسی سے جانب دارانہ وعدہ کرلے۔ جو چیز خدا کے شایان شان ہے وہ صرف یہ کہ وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو اس کی صفتِ عدل کا تقاضا ہو۔

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور نیک سلوک کرو گے ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ۔ اور یہ کہ لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر تم اس سے پھر گئے سوا تھوڑے لوگوں کے۔ اور تم اقرار کرکے اس سے ہٹ جانے والے لوگ ہو۔ ۸۳

---

انسان کے اوپر اللہ کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبادت گزار بنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ دوسرا حق بندوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اس حسن سلوک کا آغاز اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے اور پھر رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے گزر کر ان تمام انسانوں تک پہنچ جاتا ہے جن سے عملی زندگی میں سابقہ پیش آئے۔ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان جب بھی کوئی معاملہ پڑے تو وہاں ایک ہی برتاؤ اپنے بھائی کے ساتھ درست ہے۔ اور وہ وہی ہے جو انصاف اور خیر خواہی کے مطابق ہو۔

اس معاملہ میں آدمی کا اصل امتحان "یتیموں اور مسکینوں" بالفاظ دیگر، کمزور افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیوں کہ جو طاقت ور ہے اس کا طاقت ور ہونا خود اس بات کی ضمانت ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ مگر کمزور آدمی کے ساتھ حسن سلوک کے لئے اس قسم کا کوئی اضافی محرک نہیں۔ اس لئے سب سے زیادہ حسن سلوک جہاں مطلوب ہے وہ کمزور لوگ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہر چیز کی نفی ہو جاتی ہے وہاں خدا ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کے ساتھ وہی شخص حسن سلوک کرے گا جو فی الواقع اللہ کی خوشنودی کے لئے ایسا کر رہا ہو۔ کیوں کہ وہاں کوئی دوسرا محرک موجود ہی نہیں۔

جب معاملہ کمزور آدمی سے ہو تو مختلف وجوہ سے حسن سلوک کا شعور دب جاتا ہے۔ کمزور آدمی کو مدد دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پانے والے کے مقابلہ میں دینے والا اپنے کو کچھ اونچا سمجھنے لگتا ہے۔ یہ نفسیات کمزور آدمی کی عزت نفس کو ملحوظ رکھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ کمزور کی بات سے متوقع نیاز مندی کا اظہار نہ ہو تو فوراً اس کو نااہل سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کا اظہار مختلف تکلیف دہ صورتوں میں ہوتا رہتا ہے، ایک دو بار مدد کرنے کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شخص مستقل طور پر میرے سر نہ ہو جائے، اس لئے اس سے چھٹی لینے کی خاطر اس کے ساتھ غیر شریفانہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ وغیرہ

بھلی بات بولنا تمام اعمال کا خلاصہ ہے، ایک حقیقی خیر خواہی کا کلمہ کہنا آدمی کے لئے ہمیشہ سب سے زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ آدمی اچھی اچھی تقریریں کرتا ہے۔ مگر جب ایک اچھی بات کسی دوسرے کے اعتراف کے ہم معنی ہو تو آدمی ایسی اچھی بات منہ سے نکالنے کے لئے سب سے زیادہ بخیل ہوتا ہے۔ سامنے کا آدمی اگر بے زور ہے تو اس کے لئے شرافت کے الفاظ بولنا بھی وہ ضروری نہیں سمجھتا۔ اگر کسی سے شکایت یا برہمی پیدا ہو جائے تو آدمی سمجھ لیتا ہے کہ وہ انصاف کے خدائی حکم سے اس کو مستثنیٰ کرنے میں حق بجانب ہے۔

# مسلمان آپس میں کیسے رہیں

حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شہاب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا، ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث لیال (رواہ ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ کرو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑے۔

اللہ کے وہ بندے جو اللہ کو حقیقی معنوں میں اپنا معبود بنالیں، ان کا دل ہر قسم کے منفی جذبات سے خالی ہوجاتا ہے۔ جن لوگوں کا دل خدا کی بلندیوں میں اٹکا ہوا ہو، وہ دنیا کی پستیوں میں لت پت ہوکر نہیں رہ سکتے۔ ایسے لوگ اپنے بھائیوں کے درمیان اس طرح رہنے لگتے ہیں جیسے ہوا لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے مگر وہ کسی سے نہیں ٹکراتی۔ جیسے پھول کی مہک ہر ایک کو پہنچتی ہے مگر وہ ایک اور دوسرے میں کوئی امتیاز نہیں کرتی۔ جیسے روشنی ہر ایک کے پاس آتی ہے مگر وہ کسی سے خوش اور کسی سے خفا نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ اسی طرح ایک دوسرے کے مکمل ساتھی ہوتے ہیں جیسے باغ کے درخت ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی قسم کی باہمی رنجش کے ایک مقام پر کھڑے ہوئے ہوں۔

اسلام کے رزق سے آدمی کو حصہ ملا ہے یا نہیں، اس کی ایک واضح پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے درمیان اس طرح رہنے لگے کہ اس کو نہ کسی سے بغض ہو اور نہ حسد۔ کسی قابل شکایت بات پیش آنے پر وہ اپنے بھائی سے بگڑ نہ جاتا ہو۔ وہ سارے لوگوں کو اللہ کی عیال سمجھ کر اس طرح رہ رہا ہو جیسے ایک باپ کی اولاد مل جل کر رہتی ہے۔ اس قسم کا ذہن جس شخص کے اندر پیدا ہوجائے وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایسا ہوجائے گا کہ کسی بھائی سے اگر اس کا بگاڑ ہوجائے اور وقتی تاثر سے مغلوب ہوکر وہ اس سے جدائی اختیار کرے تو تین دن گزرتے گزرتے اس کا سینہ پھٹنے لگے گا۔ وقتی جذبہ نے اس کو جس بھائی سے دور کیا تھا اس سے وہ اپنے رب کی خاطر دوبارہ اس طرح مل جائے گا جیسے کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

---

## سب سے آگے، سب سے پیچھے

دنیا بھر میں مسلمانوں کے ۴۳ آزاد ممالک ہیں جن کی آبادی تقریباً ۶۰ کرور ہے۔ جغرافی طور پر کل دنیا کا ۲۱ فی صد وہ حصہ ہے جہاں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے۔ مسلمان دنیا کی کل آبادی کا تقریباً ۲۳ فی صد ہیں۔ دنیا کے قدرتی ذرائع کا تقریباً نصف حصہ ان کے قبضہ میں ہے۔ مگر تعلیم، باہمی اتحاد، صنعتی ترقی میں وہ دنیا بھر میں سب سے پیچھے ہیں۔

## اللہ کی عبادت کرنا اور بندوں کو اپنی ایذا سے بچانا

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال سألتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلتُ یا رسولَ اللہ ایُّ الاعمالِ افضلُ قالَ الصلاۃُ علی میقاتِھا قلت ثم ماذا یا رسولَ اللہ۔ قال ان یَسلَمَ الناسُ من لسانکَ (ترغیب وترہیب بحوالہ طبرانی)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے رسول کون سا کام افضل ہے۔ آپ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے پوچھا اے خدا کے رسول اس کے بعد کون سا کام افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ لوگ تمھاری زبان سے محفوظ رہیں۔

## اللہ کو پہچاننا سب سے بڑی عبادت ہے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: اے خدا کے رسول! کون سا عمل افضل ہے (ای الاعمال افضل) آپ نے فرمایا: اللہ عز وجل کی معرفت (العلم باللہ عز وجل) آدمی نے دوبارہ پوچھا اے خدا کے رسول! کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ عز وجل کی معرفت۔ آدمی نے کہا: اے خدا کے رسول! میں آپ سے عمل کی بابت پوچھتا ہوں اور آپ علم کی بابت جواب دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجھل جامع بیان العلم وفضلہ جزء اول صفحہ ۳۸

علم کے ساتھ تھوڑا عمل زیادہ نفع دیتا ہے۔ جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی نفع نہیں دیتا۔

## دین میں اصل اہمیت کی چیز کردار ہے

طبرانی نے عبد الرحمٰن بن حارث بن ابی مرداس سلمی رضؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپ نے وضو کا پانی منگایا، اس میں ہاتھ ڈالے اور وضو کیا۔ ہم نے اس پانی کو لیا اور اس کو پی گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس فعل پر تمھیں کس چیز نے آمادہ کیا۔ ہم نے کہا: اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ تم اللہ اور رسول کے محبوب بنو تو تم یہ کرو کہ جب تم کو امانت سونپی جائے تو اس کو ادا کرو۔ جب بات کرو تو سچ بولو اور جو لوگ تمھارے پڑوس میں ہیں ان کے لئے اچھے پڑوسی ثابت ہو (فان احببتم ان یحبکم اللہ ورسولہٗ فادوا اذا ائتمنتم واصدقوا اذا حدثتم واحسنوا جوار من جاورکم)

## شعوری عبادت مطلوب ہے نہ کہ بے روح عملیات

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرجل لیکون من اھل الصلاۃ والصوم والزکاۃ والحج والعمرۃ حتی ذکر سھام الخیر کلھا وما یجزیٰ یوم القیامۃ الا بقدر عقلہ (احمد)

ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نماز، روزہ، زکاۃ، حج، عمرہ کے عمل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے تمام اعمال خیر کا ذکر کیا پھر فرمایا: مگر قیامت کے دن وہ صرف اپنی عقل کے بقدر بدلہ پائے گا۔

## سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کی یاد دل میں سمائی ہوئی ہو

ابو نعیم (حلیۃ الاولیاء جلد ۱) نے سالم بن ابی جعد سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ

ابوسعد بن منبہ نے ایک سو غلام آزاد کئے ہیں۔ انھوں نے کہا: بے شک یہ ایک بڑی بات ہے کہ آدمی اپنے مال سے سو غلاموں کو آزاد کرے۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو ایسی چیز بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ افضل ہے۔ پھر انھوں نے کہا: وہ ایمان جو رات دن لپٹا ہوا ہو اور تمھاری زبان کا ہمیشہ اللہ کی یاد سے تر رہنا (ایمان ملزوم باللیل والنہار ولا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ عز وجل، ترغیب و ترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۵)

## ذکر ہر وقت کی نماز ہے

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال لا یزال الفقیہ یصلی۔ قالوا وکیف یصلی۔ قال: ذکر اللہ تعالیٰ علی قلبہ ولسانہ جامع بیان العلم وفضلہ، جزء اول، ۵۳

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ عالم آدمی ہر وقت نماز میں رہتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے ہر وقت نماز میں رہتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی یاد اس کے دل پر اور اس کی زبان پر

## نماز ادا کرنے والا اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے سلمان! اللہ سے ڈرو۔ جان لو کہ جلد ہی فتوحات ہوں گی۔ اس میں سے تمھارا حصہ وہی ہے جو تم اپنے پیٹ میں رکھ لو یا اپنے جسم پر ڈال لو۔ اور جان لو کہ جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ اللہ کی ذمہ داری میں صبح کرتا ہے اور اللہ کی ذمہ داری میں شام کرتا ہے۔ اور تم کسی اللہ کے بندے کو قتل نہ کرنا ورنہ اللہ اپنی ذمہ داری کو توڑ دے گا اور اللہ تم کو منھ کے بل اوندھا کر کے جہنم میں ڈال دے گا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)

## مسلمان کی حاجت پوری کرنا بہت بڑی عبادت ہے

طبرانی اور بیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ مدینہ کی مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ عبداللہ بن عباس رض نے کہا: اے فلاں! تم مجھ کو افسردہ اور غمگین دکھائی دیتے ہو۔ اس نے کہا، ہاں اے رسول اللہ کے چچازاد بھائی۔ میرے اوپر فلاں شخص کا حق ہے اور اس صاحب قبر کی عزت کی قسم، میں اس کی ادائگی پر قادر نہیں۔ عبداللہ بن عباس رض نے کہا: کیا میں تمھارے بارے میں اس سے بات کروں۔ آدمی نے کہا ہاں اگر آپ پسند کریں۔ اس کے بعد عبداللہ بن عباس رض نے اپنے جوتے پہنے اور مسجد سے نکل کر روانہ ہوئے۔ آدمی نے کہا: شاید آپ بھول گئے کہ آپ حالت اعتکاف میں ہیں۔ عبداللہ بن عباس رض نے کہا نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے (اور یہ کہتے ہوئے عبداللہ بن عباس رض کی آنکھوں میں آنسو آگئے) کہ:

من مشی فی حاجۃ اخیہ وبلغ فیہا کان خیرا لہ من اعتکاف عشر سنین (الترغیب والترہیب جلد ۲)

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت کے لئے چلا اور اس میں کوشش کی تو یہ اس کے لئے دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

## مفلس وہ ہے جو آخرت میں مفلس ٹھہرے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے کہا: کیا تم

جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ لوگوں نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ کوئی پونجی۔ آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے ساتھ آئے۔ مگر وہ اس حال میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون بہایا ہے، کسی کو مارا ہے۔ تو اس کی کچھ نیکیاں اِس کو، کچھ نیکیاں اُس کو دے دی جائیں گی۔ اور جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ادائگی باقی رہے گی تو دوسروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اس کو آگ میں جھونک دیا جائے گا (مسلم)

## مشکل وقتوں میں نماز کی طرف دوڑنا

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق میں ہماری تعداد تقریباً تین سو تھی۔ یہ ایک نہایت سخت رات تھی۔ اوپر کی جانب ابوسفیان اور ان کی فوج تھی۔ نیچے کی جانب بنو قریظہ تھے جن کی طرف سے ہم اپنے بال بچوں کو بالکل غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ بے حد شدید سردی تھی۔ اس کے بعد تیز ہوا چلنے لگی جس میں کڑک چمک تھی۔ پتھر اڑ کر گر رہے تھے۔ اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ کوئی چیز سجھائی نہ دیتی تھی۔ ایسے حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ خندق کے پار مشرکین کے پڑاؤ کی طرف جاؤ اور ان کی خبر لاؤ (کہ وہ واپس جانے کی باتیں کر رہے ہیں یا ابھی جمے ہوئے ہیں) میں لوگوں میں سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا اور سردی بھی مجھ کو بہت لگتی تھی (انا من اشد الناس فزعا واشدهم قرا) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر اٹھا۔ آپ نے میرے لئے حفاظت کی دعا فرمائی۔ میں اپنے مشن پر روانہ ہوا۔ اور ابوسفیان کی فوج میں گھوم پھر کر خبر لایا۔ وہ لوگ الرحیل الرحیل (واپس چلو واپس چلو) کہہ رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز میں مشغول تھے:

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر صلی (البدایہ والنہایہ جلد ۴) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ کوئی سخت معاملہ پیش آتا تو آپ نماز پڑھتے۔

## قرآن سے اپنے دلوں کو حرکت دو

شعبہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوحمزہ نے بیان کیا۔ انھوں نے عبد اللہ بن عباس رضی سے کہا کہ میں تیز پڑھنے والا آدمی ہوں۔ بعض اوقات ایک ہی رات میں ایک یا دو بار پورا قرآن پڑھ لیتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی نے جواب دیا: ایک سورہ پڑھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو تم کرتے ہو۔ اگر تم کو پڑھنا ہے تو اس طرح پڑھو کہ تمھارے کان اس کو سنیں اور تمھارا دل اس کو لے سکے۔ پھر انھوں نے کہا: قرآن اس طرح پڑھو کہ اس کے عجائب پر ٹھہرو اور اس سے دلوں کو حرکت دو۔ تمھاری کوشش یہ نہ ہو کہ بس کسی طرح آخر سورہ تک پہنچ جاؤ (فاقرأ قراءۃ تسمع اذنیک ویعیہ قلبک، وقفوا عند عجائبہ وحرکوا بہ القلوب ولا یکن ہم احدکم آخر السورۃ)

## نماز آدمی کو اللہ کی حفاظت میں رکھتی ہے

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت منقول ہے۔ اس کا ایک جزء یہ ہے: لَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ (ترغیب وترہیب بحوالہ طبرانی) تم ہرگز

کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا۔ کیوں کہ جو شخص فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو وہ اللہ کی حفاظت سے نکل جاتا ہے۔

### نماز جمعہ کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیر رضؓ کو اجتماعی عبادت قائم کرنے کی بابت تحریری ہدایت روانہ فرمائی تھی۔ دار قطنی کی روایت کے مطابق اس کا ایک فقرہ یہ تھا: فاذا مال النہار عن شطرہ عند الزوال من یوم الجمعۃ فتقربوا الی اللہ تعالیٰ برکعتین (جمعہ کے دن جب سورج نصف النہار سے ڈھل جائے تو دو رکعت نماز کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی حاصل کرو)

### دنیا طلبی خدا سے دور کرتی ہے

دنیا طلب علمار کی بابت ایک حدیث قدسی میں آیا ہے: ان ادنی ما انا صانع بھم ان انزع حلاوۃ المناجاۃ من قلوبھم (جامع بیان العلم وفضلہ، جزء اول، صفحہ ۱۹۳) سب سے ادنیٰ بات جو میں ان کے ساتھ کرنے والا ہوں وہ یہ کہ دعا کی مٹھاس کو ان کے دلوں سے چھین لوں۔

### ان کی عبادت تھی سوچنا اور عبرت پکڑنا

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سامنے سے دو بیل گزرے۔ دونوں پر بوجھ لدا ہوا تھا۔ ایک کھڑا رہا، دوسرا بیٹھ گیا۔ اس کو دیکھ کر ابو درداء رضؓ نے کہا: اس میں بھی عبرت ہے (ان فی ھذا لمعتبرا، صفۃ الصفوۃ، جلد ا صفحہ ۲۵۸) عون بن عبد اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے ام الدرداء سے پوچھا کہ ابو الدرداء کا سب سے افضل عمل کیا ہوتا تھا۔ انھوں نے جواب دیا تفکر اور عبرت (التفکر والاعتبار، ابونعیم فی الحلیۃ) محمد بن واسع کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ سے ایک شخص آیا اور ام ذر سے ملا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت ابوذر کی عبادت کا حال بتایئے۔ ان کی اہلیہ نے جواب دیا وہ اکثر سارے دن تنہا بیٹھے ہوئے غور وفکر کرتے رہتے تھے (کان اجمع النہار خالیا یتفکر، ابونعیم)

### خشوع ظاہری آداب کا نام نہیں

حضرت عائشہ رضؓ نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ بہت مضمحل حالت میں چل رہے تھے۔ آپ نے پوچھا ان کا کیا حال ہے۔ جواب دیا گیا یہ قراء میں سے ہیں (یعنی قرآن پڑھنے پڑھانے والے اور تعلیم وعبادت میں مشغول رہنے والے ہیں) یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ نے کہا: "عمر سید القرار تھے۔ مگر ان کا یہ حال تھا کہ جب چلتے تو زور سے چلتے۔ جب بولتے تو قوت کے ساتھ بولتے اور جب پیٹتے تو خوب پیٹتے"

### جائز چیزوں سے روزہ رکھ کر ناجائز چیزوں سے افطار کرنا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ دو عورتوں نے روزہ رکھا اور دونوں ساتھ بیٹھ کر دوسروں کی غیبت و شکایت کرتی رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بابت معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

انھما لم یصوما۔ وکیف صام من ظل ھذا الیوم یاکل لحوم الناس (ابوداؤد، بیہقی)

ان دونوں نے روزہ نہیں رکھا۔ اس کا روزہ کیسے ہو گیا جو روزہ رکھ کر لوگوں کے گوشت کھاتا رہا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان ھاتین صاما عما احل اللہ لھما وافطرتا علیٰ ماحرم اللہ علیھما۔ جلست احداھما الی الاخریٰ فجعلتا تاکلان من لحوم الناس

(ترغیب وترہیب جلد ۳)

ان دونوں عورتوں نے اس چیز سے روزہ رکھا جو اللہ نے ان کے لئے حلال کیا تھا اور پھر دونوں نے اس چیز سے انطار کرلیا جو اللہ نے دونوں کے لئے حرام کیا تھا۔ ایک ان میں سے دوسری کے پاس بیٹھ گئی اور دونوں لوگوں کے گوشت کھاتی رہیں۔

## نماز کے بعد کچھ دیر نماز کی کیفیت طاری رہنا چاہئے

ابورمثہ رضہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے نماز پوری کرکے سلام پھیرا۔ ایک شخص جو شروع سے نماز میں شریک تھا۔ فوراً سنت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ عمر فاروق رضہ کود کر اس شخص کے پاس پہنچے اس کے مونڈھوں کو پکڑکر جھنجھوڑا اور کہا کہ بیٹھو "اہل کتاب اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں فصل نہیں ہوتا تھا" (یعنی ایک نماز ختم کرکے فوراً دوسری نماز شروع کردیتے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اوپر اٹھائی اور فرمایا: ابن خطاب! اللہ نے تمھارے ذریعہ سے حق وثواب تک پہنچایا (ابوداؤد)

## خدا کو سنانے کے لئے بلند آواز کی ضرورت نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے سوال کیا: اقریب ربنا فنناجیہ ام بعید فنناديه ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ اس سے ہم سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اس کو پکاریں۔ اس کے جواب میں قرآن میں آیت اتری: جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو ان کو بتادو کہ میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والا جب مجھ کو پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو سنتا ہوں اور اس کا جواب دیتا ہوں" (بقرہ - ۱۸۶) صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری سے منقول ہے:

رفع الناس اصواتھم بالدعاء فی بعض الاسفار، فقال لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس اربعوا علیٰ انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولاغائبا ان الذی تدعونہ سمیع قریب، اقرب الی احدکم من عنق راحلتہ

ایک سفر میں دعا کے موقع پر لوگوں نے اپنی آوازیں بلند کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنے اوپر نرمی کرو کیوں کہ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم جس کو پکار رہے ہو وہ سننے والا قریب ہے، وہ تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔

## دین بے فائدہ ہے اگر اس کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہو۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَن تعلّمَ علماً مِمّا یُبتغیٰ بہ وجہُ اللّٰہِ عزوجلّ لا یَتعلّمُہ اِلّا لِیُصیبَ بہ عرضاً من الدنیا لم یَجِدْ عَرْفَ الجنۃِ یومَ القیامۃ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے اس کو جس شخص نے دنیا حاصل کرنے کے لئے سیکھا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

# جب دلوں پر اوٹ رکھ دی جائے

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں کے اوپر اوٹ رکھ دیتے ہیں کہ اس کو نہ سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب قرآن میں تم اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک کر اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں (بنی اسرائیل ۴۶-۴۵)

زندگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ زندگی جو خدا پرستی اور آخرت پسندی کے تحت ہے اور دوسری وہ جو خود پسندی اور دنیا پرستی کے تحت بنے۔ دونوں زندگیاں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں۔ ممکن ہے دونوں کے درمیان ظاہری طور پر زیادہ فرق نظر نہ آئے۔ مگر باعتبار حقیقت دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک کے تحت آخرت رخی زندگی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کے تحت دنیا رخی زندگی۔ ایک صورت میں آدمی کا خدا اس کے اوپر غالب رہتا ہے اور دوسری صورت میں اس کا اپنا نفس۔ ایک اس فکر میں مبتلا ہوتا ہے کہ آخرت کے دن اس کی رسوائی نہ ہو اور دوسرے کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان اس کی عزت اور مقام محفوظ رہے۔ ایک اپنے خلاف تنقید سن کر اپنا احتساب کرنے لگتا ہے اور دوسرا اپنے خلاف تنقید سن کر بھپر اٹھتا ہے۔ ایک خدا و رسول کے حکم کے آگے جھکنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور دوسرا خود اپنی ذات کو خدا و رسول کے مقام پر رکھ دیتا ہے۔ ایک ظاہری دنیا سے گزر کر حقائق کو اپنے سامنے رکھتا ہے اور دوسرا ہمیشہ ظاہری چیزوں میں اپنے کو الجھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ "حقیقت مجھ سے ماوراء ہے اور مجھے اپنے آپ کو حقیقت کے مطابق بنانا چاہئے" اس کے برعکس دوسرا خود اپنے کو حقیقت اعلیٰ کا مقام دئے ہوئے ہوتا ہے، وہ اپنی ذات کو معیار حق سمجھتا ہے نہ کہ اپنے سے باہر کسی چیز کو۔

جو لوگ خود پسندی اور دنیا پرستی کی بنیاد پر اپنی زندگیاں بنائے ہوئے ہوں، ان کے سامنے جب بے لاگ حق کا پیغام آتا ہے تو ان کا عجیب حال ہوتا ہے۔ ان کی مخصوص نفسیات ان کے لئے ایک قسم کا سوگ بن جاتی ہے۔ حق کو ماننے میں ان کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے مفادات پر ضرب پڑ رہی ہے۔ ان کو اپنی دنیا ویران ہوتی نظر آتی ہے۔ ان کو ایسا لگتا ہے گویا حق کا اعتراف کرتے ہی ان کے سر سے برتری کا تاج اتر جائے گا۔ حق کو ماننا اپنی زندگی کے پورے ڈھانچہ کو بدلنے کے ہم معنی نظر آنے لگتا ہے۔ ایسے شخص کو محسوس ہوتا ہے کہ اپنی بنائی ہوئی دنیا میں تو میں عزت و کامیابی کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں۔ اگر میں اس کو چھوڑ کر حق کا طریقہ اختیار کروں تو میں لوگوں کے درمیان بے حیثیت ہو کر رہ جاؤں گا —— یہ نفسیات ایک قسم کا پردہ بن کر اس کے اور حق کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ اپنی مخصوص ذہنی کیفیت کی وجہ سے وہ حق کو اس کی اصل صورت میں دیکھ نہیں پاتا اور اس کی آواز کو اس کی پوری معنویت کے ساتھ سن نہیں پاتا۔ اپنی اس نفسیات کے زیر اثر وہ حق کو نظر انداز کر دیتا ہے، کبھی شعوری طور پر اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر۔

# وہ آدمی جو اپنے رب پر راضی رہا

• انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو سرفراز کیا۔ اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو بے قدر کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے۔ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی تاکید نہیں کرتے۔ اور مردہ کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال سے بے حد محبت رکھتے ہو۔ ہرگز نہیں، جب زمین توڑ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور آئے گا تیرا رب اور فرشتے آئیں گے قطار در قطار۔ اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی۔ اس دن آدمی سوچے گا۔ مگر اب سوچنے کا موقع کہاں۔ وہ کہے گا۔ کاش میں نے اپنی زندگی کے لئے کچھ بھیج دیا ہوتا۔ اس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں۔ اے اطمینان والی روح چل اپنے رب کی طرف۔ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پھر مل جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ (الفجر)

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا رویہ جہنم کو یاد کر کے بنے۔ دوسرے وہ جن کا رویہ جہنم سے بے خوف ہو کر بنے۔ کون جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈر کر جی رہا ہے اور کون اس سے بے پروا ہو کر جی ہو رہا ہے، اس کا اظہار زندگی کے معاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ ہر بار جب زندگی کے مواقع میں سے کوئی موقع پیش آتا ہے تو آدمی اپنے ردعمل سے بتا دیتا ہے کہ دونوں میں سے کون سی حالت ہے جس میں اس کے صبح و شام گزر رہے ہیں۔

ایک وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو عزت اور دولت ملتی ہے تو ان کے اندر اپنی بڑائی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے۔ اس کے برعکس اگر انھیں تنگی اور سختی پیش آجائے تو وہ احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ساری اہمیت دنیا کی عزت اور بے عزتی کی ہے، وہ دنیا کے آرام اور تکلیف کو سب سے زیادہ قابل توجہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا سابقہ جب کمزور سے پیش آتا ہے تو اس کے ساتھ حقارت کا سلوک کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے پاس وہ چیز نہیں جو ان کی نظروں میں لحاظ کے قابل ہے۔ ان کے سامنے کوئی ضرورت مند آجائے تو اس کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ ان کے اندر نہیں بھڑکتا۔ ان کو دنیوی مال و متاع کی اتنی حرص ہوتی ہے کہ اخلاقی حدوں کو توڑ کر اور حرام و حلال کی تمیز سے آزاد ہو کر اس کو سمیٹنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اس قدر سخت دل ہو جاتے ہیں کہ کوئی شخص جو بزور اپنا حصہ وصول کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ ان سے اپنا حصہ پانے کی امید نہیں کر سکتا۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو قیامت سے پہلے قیامت کے اندیشوں سے کانپتے رہتے ہیں۔ کوئی معاملہ کرتے وقت ان کے اندر یہ سوچ ابھر آتی ہے کہ بات یہیں دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آخرت تک جاتی ہے۔ نعمت ان کے لئے شکر کا موقع ہوتا ہے اور سختی آتی ہے تو ان کے اندر صبر کا جذبہ جاگتا ہے۔ بے طاقت انسان کے پیچھے ان کو خدا اپنی طاقتوں کے ساتھ کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ خدا کے یہاں اپنی بے عزتی کا اندیشہ ان کو روکتا ہے کہ وہ دنیا میں کسی پر قابو

پا جائیں تو اس کو بے عزت کرنے کی کوشش کریں۔ ان کو کوئی بھوکا مل جاتا ہے تو اس کو کھلاتے ہیں تاکہ خدا انھیں آخرت کے دن کھلائے۔ وہ کسی ضرورت مند کو پالیتے ہیں تو اس کی ضرورت پوری کرتے ہیں تاکہ جب وہ خدا کے یہاں پہنچیں تو خدا ان کی ضرورتیں پوری کرے۔ ان کو ایک ایسا نفس حاصل ہوتا ہے جو ہر وقت خدا میں اٹکا ہوا ہو۔ جس کا ہر رویہ آخرت کی مصلحت کے تحت ظاہر ہو نہ کہ دنیا کی مصلحت کے تحت۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا سے راضی ہوئے، اس لئے خدا بھی ان سے راضی ہوگا۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں خدا کے لئے رکے۔ ان کی زبان خدا کے لئے بند ہوئی۔ انھوں نے اپنے جی کو خدا کے لئے تھاما۔ انھوں نے اپنی مصلحتوں کو خدا کے لئے قربان کیا۔ وہ آسمان کی سطح پر جئے جب کہ دوسرے لوگ زمین کی سطح پر جی رہے تھے۔ یہی لوگ خدا کے سچے بندے ہیں۔ موجودہ دنیا کو توڑ کر جب نیا عالم بنے گا اور وہ خدا کے پاس پہنچیں گے تو خدا ان کو نہال کر دے گا۔ ان کو اپنے وفاداروں کے گروہ میں شامل کرے گا۔ ان کے لئے ان جنتی مکانوں کے دروازے کھول دے گا جو ابدی باغات میں بنے ہوں گے جہاں ہر قسم کی نعمتیں بے حساب مقدار میں جمع ہونگی جہاں نہ موت ہے اور نہ کوئی حادثہ۔ جہاں نہ غم ہے نہ تکلیف۔ جہاں نہ تکان ہے اور نہ اکتاہٹ۔ آدمی اپنے رب کی اس لازوال دنیا کا باشندہ بن جائے گا جس کو دیکھے بغیر اس نے اپنی پوری زندگی کو اس کے اوپر ڈال دیا تھا۔

حافظ ابن عساکر نے حضرت امامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا سکھائی:

اللھم انی اسألك نفسابك مطمئنة تومن بلقائك وترضی بقضائك وتقنع بعطائك (اے اللہ میں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جو تیرے اوپر مطمئن ہو، تجھ سے ملاقات کا یقین رکھتا ہو، تیرے فیصلہ پر راضی ہو۔ تیرے دئے ہوئے پر قانع ہو) جو شخص دنیا کی ناخوش گواریوں پر اللہ کے لئے راضی ہو جائے، آخرت میں خوش گواریوں پر رضامندی اسی کے حصہ میں آتی ہے۔

نفس مطمئن کا مطلب غم سے پاک دل نہیں ہے بلکہ نفسیاتی گرہوں سے پاک دل ہے۔ مومن کی زندگی دنیا میں کبھی غم سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے غم سے خالی زندگی کا مقام جنت ہے۔ مومن سے دنیا کی زندگی میں جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ دنیا میں وہ دنیا کے غم کو لے کر نہ جئے بلکہ آخرت کے غم کو لے کر جئے۔ دنیوی چیزوں کا حرص، کسی کے پاس دنیا زیادہ ہو تو اس سے جلنا اور کسی کے پاس دنیا کم ہو تو اس کو حقیر سمجھنا، خوشامد اور تعریف کرنے والوں سے خوش رہنا اور تنقید اور اختلاف کرنے والوں کو بری نظر سے دیکھنا۔ یہ چیزیں جس شخص کے اندر ہوں اس کا سینہ تاریکیوں سے بھر جاتا ہے۔ وہ منفی نفسیات کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی حال میں مر جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ دنیوی محرکات سے اوپر اٹھ جائیں، جن کا سینہ حرص، گھمنڈ، انانیت، نفرت، انتقام، خود پسندی اور بے انصافی سے خالی ہو، ان کے دل کو خدا کی طرف سے اطمینان و سکینت کا نور پہنچتا ہے۔ آخرت کی عظمت ان کے ذہن پر اس قدر چھا جاتی ہے کہ دنیا کی راحت اور تکلیف دونوں ان کو بالکل حقیر نظر آتی ہے۔ وہ اپنے مداح اور اپنے ناقد کو ایک نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ یہی نفوسِ مطمئنہ ہیں اور انھیں کے لئے آخرت میں جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔ ●

# امت مسلمہ کا مقصد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس لئے آئے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائیں۔ آپ کے بعد یہی آپ کے پیروؤں کا مشن بھی ہے (قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی، یوسف ۱۰۸)
قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ اہم معاملہ آخرت کا معاملہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ موت سے پہلے آدمی اس حقیقت سے باخبر ہو جائے کہ اگر وہ اللہ والا بن کر نہیں مرا تو اس کے لئے خطرہ ہے کہ وہ ابدی بربادی کے جہنم میں دھکیل دیا جائے۔ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد جب اگلی دنیا بنائی جائے گی تو سارے لوگوں کا مقدمہ خدا کے یہاں پیش ہوگا۔ اس وقت لوگوں کے مستقل انجام کا فیصلہ کرنے کے لئے جو طریق عمل اختیار کیا جائے گا وہ یہ ہوگا کہ وہ داعیان حق وہاں گواہ بنا کر کھڑے کئے جائیں گے جنھوں نے دنیا کی زندگی میں ان قوموں تک اللہ کے دین کو پہنچایا تھا۔ پچھلے زمانوں کے لئے اُس زمانہ کے انبیاء گواہ بنیں گے۔ بعد کے زمانے میں جب کہ نبوت ختم ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر دین کی مکمل گواہی دے دی اور اس کے بعد اس امت کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ یہ قیامت تک دنیا کی قوموں کے اوپر داعی بن کر کھڑی ہوتی رہے تاکہ آخرت کے دن وہ قوموں کے مقدمے میں اللہ کی گواہ بن سکے۔ پیغمبر جس طرح ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ ہے اسی طرح یہ امت پیغمبر اور قوموں کے بیچ میں کھڑی ہوئی ہے اور پیغمبر کی طرف سے بالواسطہ طور پر تمام قوموں تک دعوت پہنچانے کے لئے مامور ہے:

وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (بقرہ ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے بنا دیا تم کو بیچ کی امت تاکہ تم گواہ ہو لوگوں پر اور رسول ہو گواہ تمہارے اوپر

دوسری قوموں کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اللہ کے دین کو اپناتی ہیں یا نہیں۔ اسی طرح امت مسلمہ کا مستقبل تمام تر اس سوال پر معلق ہے کہ وہ اللہ کے دین کی گواہ بننے کے لئے اٹھتی ہے یا نہیں۔ جس طرح دوسری قوموں کی نجات کسی اور دین کو اختیار کرکے نہیں ہو سکتی، اسی طرح امت مسلمہ کی نجات کسی اور میدان میں عمل کرکے نہیں ہو سکتی، خواہ اس میں وہ کتنے ہی بڑے بڑے کارنامے دکھا رہی ہو۔ حتیٰ کہ صرف نماز روزہ بھی اس کی نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے نگل لیا تو یہ "نماز روزہ" میں کوتاہی کی بنا پر نہ تھا۔ ان چیزوں میں آنجناب نے کبھی کوئی کمی نہیں کی تھی۔ ان کی کمی صرف یہ تھی کہ اپنی مدعو قوم پر دعوت کا حق ادا کرنے میں اجتہادی بنا پر ان کی طرف سے کوتاہی واقع ہو گئی۔ اتنی بات بھی اللہ کو پسند نہیں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ کی کامیابی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تمام تر اس پر منحصر ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے لئے اٹھے اور اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ اس کو انجام دے۔ بصورت دیگر اس کے لئے بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ امت مسلمہ کے ساتھ اللہ کے تمام وعدے اسی قیمت پر ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ اللہ کے یہاں بے قیمت ہو جائے گی، خواہ کسی اور میدان میں بزعم خود وہ کتنے ہی بڑے کارنامے انجام دے رہی ہو۔

# اسلامی معاشرہ کیسا ہوتا ہے

"معاشرہ" کا لفظ ایسے انسانی مجموعہ کے لئے بولا جاتا ہے جو فطری تنوع کے باوجود کسی خاص مشترک بندھن کے تحت یکساں حالات میں زندگی گزار رہا ہو۔ آج کی دنیا میں معاشرہ کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں۔ روایتی معاشرہ، جس کا ایک نمونہ عیسائیت ہے۔ نسلی معاشرہ، جو یہود کے یہاں پایا جاتا ہے۔ سیاسی معاشرہ، جیسا کہ جمہوری نظاموں میں ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح میکانیکی معاشرہ، جس کو ظہور میں لانے کی کوشش کمیونسٹ دنیا میں بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہی ہے۔

معاشرہ کی ان تمام قسموں میں، ظاہری فرق کے باوجود، ایک چیز مشترک ہے۔ ان کو جو چیز ایک مخصوص اور متعین روپ دیتی ہے وہ خارجی اسباب ہیں۔ روایت، نسل، سیاسی اور قانونی ڈھانچہ، میکانکی حالات سب خارجی چیزیں ہیں۔ گویا ان معاشروں کو معاشرہ بنانے والی چیز ان سے باہر کے عوامل ہیں نہ کہ خود ان کے اندر کے عوامل۔ اسلامی معاشرہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسلامی معاشرہ افراد معاشرہ کے اپنے اندرونی محرک کے تحت ظہور میں آتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کو جو چیز اسلامی معاشرہ بناتی ہے وہ کوئی خارجی ناگزیریت نہیں بلکہ افراد کا اپنا اندرونی ارادہ ہے۔ وہ اپنے آزاد ارادہ کی طاقت سے اپنے آپ کو ایک خاص شکل میں ڈھالتے ہیں اور ارادی کوشش کے ذریعہ اس پر قائم رہتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کو کسی دوسرے معاشرہ کی مثال سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اسلامی معاشرہ، تمام دوسرے معاشروں کے برعکس، خوف خدا کا معاشرہ ہے۔ اسلامی معاشرہ وہ ہے جس کا ہر فرد، یا کم از کم اس کے افراد کی مؤثر تعداد، ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو ہر معاملہ میں صرف خدا کی خوشی اور ناخوشی کو دیکھتے ہوں۔ اس کے سوا دوسرے مصالح و محرکات ان کے لئے ناقابل لحاظ بن جائیں۔ خدا جو ساری کائنات کی اصل ہے، وہی اسلامی معاشرہ کی بھی اصل ہے۔ اسلامی معاشرہ خدا کے مرکزی عقیدہ کے گرد بنتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام خوبیاں اور کمالات "بیج روپ" میں عقیدۂ خدا کے اندر موجود ہیں۔ حدیث میں کہا گیا ہے رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ (اللہ کا خوف حکمت کا سرا ہے) جب آدمی خدائے واحد کے عقیدہ کو اس کی صحیح شکل میں اختیار کرتا ہے تو تمام اعلیٰ اوصاف اس کے اندر سے اگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ خدائی معاشرہ ہے۔ اور اسی لئے وہ مثالی معاشرہ بھی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے کمالات اور خوبیوں کا واحد سرچشمہ صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ اس سے باہر کسی کمال کا کوئی وجود نہیں۔

اسلامی معاشرہ اصلاً افراد کی اسلامیت کا اجتماعی ظہور ہے۔ تاہم اس کو مسلسل برقرار رکھنے کے لئے باہمی نگرانی کا خصوصی حکم دیا گیا ہے جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ اسلام اپنے افراد کے اندر یہ مزاج پیدا کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر خیر خواہانہ نظر رکھیں۔ اسلامی معاشرہ کے ہر فرد سے یہ مطلوب ہے کہ وہ دوسرے افراد کو بھلائی کی تلقین کرے اور برائی سے روکے۔ یہ کام اسی دل سوزی اور خیر خواہی کے ساتھ ہو جس طرح ایک باپ اپنے عزیز بچوں کی اصلاح کے لئے کرتا ہے۔ یہی چیز جب زیادہ منظم صورت اختیار کرتی ہے تو اسی کا نام اسلامی خلافت ہے۔ اسلامی معاشرہ افراد کے اندرونی احساس ذمہ داری کے تحت وجود میں آتا ہے اور نصیحت اور احتساب کا خارجی نظام اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ●

# موت کا سبق

## انسان کی محدودیت

پوپ جان پال اول ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ویٹیکن میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر ۶۵ سال تھی اور ان کو پوپ کے عہدے پر فائز ہوئے ابھی صرف ۳۳ دن ہوئے تھے۔ وہ دنیا بھر کے سات سو ملین کیتھولک عیسائیوں کے روحانی بادشاہ تھے۔ ۲۸ ستمبر کو ان کی صحت بالکل ٹھیک تھی۔ معمول کے مطابق رات کو وہ اپنی خواب گاہ میں گئے۔ اگلی صبح کو جب وہ مقررہ وقت پر اپنے کمرہ سے باہر نہیں نکلے تو ان کے سکریٹری نے معلوم کیا۔ اس نے دیکھا کہ پوپ جان پال اول اپنے بستر پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

کمرہ کی روشنی جل رہی تھی اور ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ رات کو وہ کتاب پڑھتے ہوئے اچانک ختم ہو گئے۔ آخر وقت میں ان کے ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کا نام تھا: مسیح کی محدودیت

(The Limitation of Christ)

## زندگی سے دور، موت سے قریب

مسٹر ہیم رائے (۱۹۷۹ - ۱۹۲۳) ایک نہایت ذہین آدمی تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں انھوں نے حکومت ہند کے اشتہارات کے شعبہ میں مشیر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ وہ ترقی کرتے رہے اور ۱۹۶۲ء میں کالگیٹ پامولیو میں منیجنگ ڈائرکٹر ہو گئے۔ ان کے زمانہ میں کمپنی نے کافی ترقی کی۔ ۱۹۷۸ء میں اس کمپنی کے حصہ داروں کی تعداد تیس ہزار ہو گئی اور وہ ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی قرار دے دی گئی۔ مسٹر ہیم رائے کو جائز طور پر اس کا چیرمین بنا دیا گیا۔

اب موصوف ترقی کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ مگر چیرمین کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ان کی موت کا وقت آگیا۔ وہ تیراکی کے شوقین تھے اور بمبئی کے قریب اپنے فارم میں کبھی کبھی تفریح کے لئے جایا کرتے تھے۔

۲۱ جنوری کو وہ گوا گئے۔ وہاں وہ سمندر کے ساحل پر تیراکی کر رہے تھے کہ اچانک موجوں کی زد میں آگئے اور ڈوب کر مر گئے۔ موت کے وقت ان کی عمر ۵۶ سال تھی (ٹائمس آف انڈیا ۹ فروری ۱۹۷۹)

## یوم الحساب کا آنا ضروری ہے

مسٹر سی۔ آر۔ گوئل (پلول) کا جوان لڑکا ڈاکٹر راجندر گوئل ۲۷ مئی ۱۹۷۸ کو ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ وہ پوسا روڈ (دہلی) میں اپنے اسکوٹر پر جا رہا تھا کہ سامنے سے آتی ہوئی ڈی ٹی سی بس اس سے ٹکرا گئی۔ وہ فوراً مر گیا۔ اب اس کا مقدمہ عدالت میں ہے۔ ڈرائیور کا کہنا ہے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ حادثہ کی وجہ یہ تھی کہ بس کا بریک فیل ہو گیا

مقتول کے والد کا ایک خط ٹائمس آف انڈیا (۱۹ جون ۱۹۷۸) میں چھپا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

میرا نقصان ناقابل تلافی ہے۔ اب میری خواہش صرف اتنی ہے کہ اس قسم کے غیر ذمہ دار کو ضرور سزا ملے۔ وہ بچ کر نہ جا سکے۔

## ناکامی ناقابل برداشت

مسٹر ودیا ساگر من نے ایم ایس سی کیا۔ اس کے بعد انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایگریکلچرل ریسرچ میں ڈاکٹریٹ

کے لئے داخلہ لیا۔ ان کا مضمون (Entomology) تھا۔ ابھی ان کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے خودکشی کرلی۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۸ کو انسٹی ٹیوٹ کے ہاسٹل میں ان کا کمرہ کھولا گیا تو ان کا مردہ جسم ایک رسی کے پھندے میں پھنسا ہوا لٹک رہا تھا۔ خودکشی کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال تھی ۔ مسٹر مین کے ساتھیوں نے بتایا کہ دو مہینے پہلے ٹسٹ ہوا تھا اس میں اگرچہ اکثر مضامین میں ان کے نمبر اچھے تھے مگر آرگینک کیمسٹری میں ان کے نمبر کافی کم تھے، اس سے وہ بہت متاثر تھے۔ اندازہ ہے کہ اسی کی وجہ سے انھوں نے اپنی جان دے دی۔

ایک معمولی ناکامی آدمی کو اتنے شدید غم میں مبتلا کردیتی ہے۔ اس وقت انسان کا کیا حال ہوگا جب وہ مکمل ناکامی اور ابدی ذلت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے گا۔

## پھولوں کا سفر آگ کا سفر بن گیا

ستیہ نارائن گپتا (۱۹۷۹—۱۹۵۲) جے پور کے ایک جواہرات کا کاروبار کرنے والے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان افریقہ اور برازیل سے قیمتی پتھر درآمد کرتا ہے اور اس کو تیار کرکے دنیا بھر میں فروخت کرتا ہے۔ مسٹر گپتا نے بی اے کیا اور قانون کی ڈگری لی۔ اب وہ امریکہ گئے تاکہ وہ اپنے برآمدی کاروبار کو مزید ترقی دے سکیں۔ امریکہ میں ان کو مستقل قیام کا ویزا (گرین کارڈ) مل گیا۔ ۱۰ مارچ کو وہ اسٹریٹ نمبر ۴۷ (نیویارک) میں اپنے فلیٹ سے نکلے۔ ان کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا جس میں ۱۰ لاکھ سے ۲۰ لاکھ تک مالیت کے جواہرات تھے۔ وہ نیویارک کے ایک بڑے جوہری کے یہاں اس کے بلاوے پر جارہے تھے مگر وہ اس سفر سے واپس نہ آسکے۔ اگلے دن صرف ان کی لاش ملی۔ کسی نامعلوم شخص نے ان کو خود ان کی ٹائی سے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ (۳۰ اپریل ۱۹۷۹)

آٹھ مہینے امریکہ میں قیام کرنے کے بعد وہ اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے گھر آنے والے تھے۔ وہ واپس آئے مگر اپنے منصوبہ کے مطابق فرسٹ کلاس سیٹ پر بیٹھ کر نہیں بلکہ بوئنگ ۷۴۷ کے بگیج میں جہاں ان کی لاش ایک تابوت میں بند کرکے رکھ دی گئی۔ وہ جے پور پہنچے تو یہاں ان کے استقبال کے لئے ان کے عزیزوں کے مسکراتے ہوئے چہرے نہ تھے بلکہ چتا کی آگ تھی۔ دوست اور عزیز ان کے گلے میں ہار ڈالتے۔ چتا نے بھی ان پر ہار ڈالے۔ مگر یہ پھولوں کا نہیں بلکہ آگ کا ہار تھا۔ دوست اور عزیز اپنے محبوب کو جلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ ان کے لئے کچھ نہ کرسکے۔ ۲۷ سال کے خوبصورت مسکراتے ہوئے چہرے کو آگ نے اس طرح نگل لیا جیسے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مسٹر گپتا کے مکان میں آگ لگتی تو فائر بریگیڈ کی گاڑیاں منٹوں میں اس کو بجھانے کے لئے پہنچ جاتیں۔ مگر یہاں خود مکان کا مالک جل رہا تھا اور کوئی نہیں تھا جو اس کو بچائے، دوبارہ اس کو اس کے شاندار روپ میں کھڑا کرسکے۔

## اچانک موت

موجودہ زمانہ میں حادثات کے ذریعہ اچانک موتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ۲۷ مارچ ۱۹۷۷ کو ٹینیریف (Tenerife) کے ہوائی اڈہ پر رن وے پر دو جمبو جیٹ ٹکرا گئے اس کے نتیجہ میں ۵۸۱ مسافر یک لخت جل کر مرگئے۔ آدمی دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے وہ مستقل جئے گا۔ حالاں کہ وہ اچانک ایک روز اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ●

# مفت کا کریڈٹ

لاہور (پاکستان) کی ایک خاتون کینسر اور ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھی۔ اس کے بھائی نے بی بی سی ریڈیو پر سنا کہ ہندستانی وزیراعظم مسٹر مرار جی ڈیسائی نے اس قسم کے مریضوں کا مجرب قدرتی علاج یہ بتایا ہے کہ وہ کثرت سے انگور کھائیں۔ مذکورہ پاکستانی کو یہ نسخہ پسند آگیا۔ تاہم چند باتیں اس کو وضاحت طلب معلوم ہوئیں: تازہ انگور نہ ملنے کی صورت میں کیا خشک انگور کھایا جا سکتا ہے، کیا انگور کے طریق علاج پر عمل کرتے ہوئے انسولین (دوا) بھی مریضہ کو دی جا سکتی ہے۔ مذکورہ پاکستانی نے مسٹر مرار جی ڈیسائی کو خط لکھا کہ وہ ان امور کے بارے میں اس کو ہدایات دیں۔ چند دن بعد ہندوستانی وزیراعظم کی میز پر جو ڈاک رکھی گئی اس میں مذکورہ خط بھی شامل تھا۔ وزیراعظم اس کو پڑھ کر فوراً حرکت میں آگئے۔ مگر خط کے مطابق پاکستانی خاتون کی حالت بہت نازک تھی۔ اس کو فی الفور "امداد" پہنچانا ضروری تھا۔ اگر خط کے ذریعہ جواب بھیجا جاتا ہے تو اس کو منزل مقصود تک پہنچنے میں کئی دن لگ جائیں گے۔ مذکورہ پاکستانی کے لیٹر ہیڈ نے اس مسئلہ کو حل کر دیا جس پر اس کا لاہور کا ٹیلی فون نمبر درج تھا۔ وزیراعظم نے فیصلہ کیا کہ وہ خط کے بجائے ٹیلی فون سے اپنا جواب پہنچائیں گے۔

عام حالات میں ہندوستان سے پاکستان ٹیلی فون ملانے میں کئی روز لگ جاتے ہیں۔ مگر اس وقت صورت حال مختلف ہوتی ہے جب کہ وزیراعظم ہندستان خود ٹیلی فون کر رہا ہو۔ اگلے ہی لمحہ لاہور میں مذکورہ شخص کے ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ہندستان کے وزیراعظم نے بسرعت اپنا قیمتی مشورہ پڑوسی ملک کے شہری تک پہنچا دیا تھا۔ تاہم یہ تیز رفتار امداد کام نہ آئی۔ پاکستانی خاتون اس سے پہلے دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔

پاکستانی مریضہ کے بھائی کو ہندستانی وزیراعظم کی اس عنایت نے بہت متاثر کیا۔ اس نے وزیراعظم کو شکریہ کا خط لکھا۔ خط میں درج تھا:

> I am much obliged and overwhelmed by your nobility. You are every inch a gentleman. The members of my family and I are all appreciation for you. I do not tire of telling my friends: here is the finest specimen of humanity and humanism
>
> The Times of India, May 22, 1979

"میں آپ کی شرافت سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں اور آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ آپ ایک ایک انچ ایک اعلیٰ انسان ہیں۔ میں اور میرے گھر کے سب لوگ آپ کے بے حد قدر داں ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو یہ بتاتے ہوئے نہیں تھکتا: یہ انسان اور انسانیت کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔" (ٹائمس آف انڈیا ۲۲ مئی ۱۹۷۹)

ایک وزیراعظم کے اپنے ملک میں انتہائی وحشیانہ طور پر بے گناہ مردوں اور عورتوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ ان کی معاشیات کو منظم طور پر برباد کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا جاتا ہے مگر وزیراعظم کو ان امور میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ باہر کے ایک شخص کی مصیبت کو سن کر وہ بے تاب ہو جاتا ہے

اور "بجلی کی سرعت" کے ساتھ اس کو اپنی امداد بھیجانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کے اندر ہونے والے ظلم کو مٹانے کے لئے اٹھنا بہت زیادہ محنت اور قربانی مانگتا ہے۔ جب کہ باہر کے ایک شخص کی مدد کرنے کے لئے چند لفظ بول دینے کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

اسی واقعہ میں آپ مسلم قائدین کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ آج ہمارے تمام قائدین کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے قریب کا ایک آدمی اپنا ایک حقیقی مسئلہ لے کر ان کے پاس جائے تو اس کو حل کرنے سے انھیں کوئی دل چسپی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس قسم کے ایک عملی مسئلہ کو حل کرنے میں طرح طرح کی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسئلہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھنا، اس کی تمام نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلسل عملی جد وجہد کرنا، ان تمام لوگوں کی دشمنی مول لینا جنھوں نے مذکورہ شخص کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ خود اپنے نفس پر لگام لگانا، کیونکہ اکثر اوقات مسئلہ پیدا کرنے میں خود یہ مسلم قائد بھی براہ راست یا بالواسطہ طور پر شریک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا قائد اس قسم کے مسئلہ پر کبھی دھیان نہیں دیتا۔ البتہ "دور" پیدا ہونے والے مسئلہ پر وہ فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ کیوں کہ یہاں لفظوں کے ذریعہ اس کو وہ کریڈٹ مل رہا ہے جو مذکورہ مثال میں عمل اور قربانی کے ذریعہ ملتا۔ اس کی یہ انسانی ہمدردی فوراً ایک شان دار بیان کی صورت میں اخبار کے صفحہ اول کی زینت بنتی ہے۔ اس کو موقع ملتا ہے کہ وہ بڑے بڑے لوگوں سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرے۔ وہ ہوائی جہاز میں اڑ کر جائے واردات پر پہنچے۔ وہ ایک شان دار کانفرنس کر کے اس کے اسٹیج پر ہیرو کے روپ میں نمایاں ہو۔ وہ ریلیف فنڈ کھولے اور دوسروں کی جیب سے پیسے نکال کر اس کا کچھ حصہ اپنی شان قیادت قائم کرنے میں خرچ کرے اور کچھ حصہ کو تقسیم کر کے اعانت مظلومین کا کریڈٹ لے۔ مزید یہ کہ ان کارناموں میں لیڈر کو اپنے پاس سے کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ ٹیلی فون اور ٹیول اور ہوائی سفر سے لے کر پر تکلف دعوتوں اور عالی شان کانفرنسوں تک سارا بل قوم کی جیب سے ادا ہوتا ہے۔ شاید پوری انسانی تاریخ میں سستی قیادت کا اتنا کامیاب نسخہ کبھی کسی نے دریافت نہیں کیا تھا جو ہمارے قائدین کو خوش قسمتی سے موجودہ زمانہ میں ہاتھ آگیا ہے۔

یہ کیفیت جب مزید ترقی کرتی ہے تو حال یہ ہو جاتا ہے کہ اخلاقی دیوالیہ پن میں مبتلا ہونے والے لوگ "طاقتور اخلاقی قیادت" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ جن کے دل کے دروازے حق کو قبول کرنے کے لئے بند ہو چکے ہوتے ہیں وہ عوام کے دلوں پر دستک دینے کے لئے دوروں اور تقریروں کا طوفان برپا کرتے ہیں، جو اپنے دائرہ اختیار میں بدترین ظلم کو جائز کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ خدا کی زمین کو ظلم سے پاک کرنے کا جھنڈا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کی روحیں شرپسندی سے معمور ہوتی ہیں وہ خیر پسندوں کو منظم کر کے ملک کی کایا پلٹ دینے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ جن کے سینے اپنے مخالفین کے خلاف نفرت اور انتقام سے بھرے ہوتے ہیں وہ دوسروں کو یہ پیغام دینے کے لئے قافلہ در قافلہ نکلتے ہیں کہ اپنے مخالفین کے ساتھ انصاف اور انسانیت کا برتاؤ کرو۔

یہ جھوٹی قیادت صرف اس وقت تک ہے جب تک دنیا کی بساط الٹی نہیں جاتی۔ جب صور پھونکا جائے گا اور موجودہ دنیا کی بساط الٹ دی جائے گی تو تمام جھوٹی رونقیں اس طرح باطل ہو جائیں گی جیسے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔

# اہم اعلان

مولانا وحیدالدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) محدود تعداد میں مکتبہ الرسالہ کے پاس موجود ہیں جنکی تفصیل یہ ہے

| کتاب | ایڈیشن | صفحات | | قیمت | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۔ الاسلام یتحدی | (ساتواں ایڈیشن) | ۲۶۳ | صفحات | قیمت ۲۰ | روپے |
| ۲۔ الدین فی مواجہۃ العلم | (چوتھا ایڈیشن) | ۱۱۲ | صفحات | 〃 ۱۰ | روپے |
| ۳۔ حکمۃ الدین | (دوسرا ایڈیشن) | ۸۷ | صفحات | 〃 ۸ | روپے |
| ۴۔ الاسلام والعصر الحدیث | (دوسرا ایڈیشن) | ۷۷ | صفحات | 〃 ۸ | روپے |
| ۵۔ مسئولیات الدعوۃ | (تیسرا ایڈیشن) | ۳۹ | صفحات | 〃 ۲ | روپے |
| ۶۔ نحو تدوین جدید للعلوم الاسلامیۃ | | ۲۶ | صفحات | 〃 ۲ | روپے |
| ۷۔ امکانات جدیدۃ للدعوۃ | | ۳۴ | صفحات | 〃 ۲ | روپے |

محصول ڈاک بذمہ خریدار — قیمت مکمل سٹ مع محصول ڈاک ۵۵ روپے — پوری رقم پیشگی روانہ فرمائیں

# ہم زندگی کے مقابلہ میں موت سے زیادہ قریب ہیں

ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم انسانوں کے درمیان اپنی جگہ بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ عنقریب ہم خدا سے دوچار ہونے والے ہیں۔ ہم دنیا میں عزت اور کامیابی ڈھونڈ رہے ہیں۔ حالاں کہ بہت جلد ہم آخرت میں داخل ہونے والے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص زندگی کے مقابلہ میں موت سے زیادہ قریب ہے مگر ہر شخص زندگی کے مسائل میں الجھا ہوا ہے، موت کے مسائل کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت کوئی محسوس نہیں کرتا۔ وہ اسلام جس نے اصحاب رسول کو سراسیمہ بنا دیا تھا وہ اسلام آج لوگوں کو صرف قناعت اور بے فکری کا تحفہ دے رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے۔ قرآن کے الفاظ میں اس کی وجہ تزئین (فاطر ۸) ہے۔ ہر آدمی کو کچھ ایسے الفاظ مل گئے ہیں جن سے وہ اپنی غیر اسلامیت کی خوبصورت اسلامی توجیہہ کر سکے۔ ہر آدمی نے اپنے گرد خوش خیالیوں کا ایک گھروندا بنا لیا ہے اور اس کے اندر وہ جی رہا ہے۔ اس کو یہ احساس نہیں کہ موت کا دھماکہ اچانک اس کے گھروندے کو توڑ دے گا اور اس کے بعد اس کے پاس ایک تنکا بھی نہ ہوگا جس سے وہ خدا کے غضب کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کر سکے۔

ایک قائد ملت ایک مسلمان کے اوپر ظلم کرتا ہے مگر اس کو اپنے ظالم ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ جلسوں میں اور اخبارات کے صفحات میں اپنے کو اسلام کا چیمپین بنا ہوا دیکھتا ہے۔ اس کے لئے ناقابل قیاس ہو جاتا ہے کہ ایک شخص جو دنیا میں ناخدائے ملت بنا ہوا دکھائی دے رہا ہو وہ آخرت میں ظالم ملت کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ ایک لیڈر مسلمانوں کے درمیان ایسی سیاست چلاتا ہے جس سے مسلمان دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔ ملک کی دینی اور تعمیری سرگرمیاں تہس نہس ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی نظر میں اسلام کی یہ تصویر قائم ہوتی ہے کہ اسلام وحشیوں کا مذہب ہے جو آپس میں لڑائی جھگڑے کے سوا اور کچھ نہیں سکھاتا۔ اس کے باوجود لیڈر کی راتوں کی نیند نہیں اچٹتی۔ اس کا دن کا سکون غارت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ اپنی زبان و قلم کے ذریعہ اس نے جو اشاعتی کارنامے انجام دئے ہیں وہ اس کو لاکھوں معتقدین کے درمیان نجات دہندۂ اسلام بنائے ہوئے ہیں۔ اپنی علمی اور تقریری خدمات کی بدولت وہ ایک اسلامی ہیرو کی سی زندگی گزار رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے لئے ناقابل فہم بن جاتا ہے کہ خدا کے یہاں اس کو بے قیمت قرار دے دیا جائے، دنیا میں اعزازات پانے والا آخرت میں صرف محرومی کی خندق میں ڈال دیا جائے۔ اسی طرح ایک شخص وعدہ خلافی کرتا ہے، اپنے پڑوسی کو ستاتا ہے۔ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ لین دین میں اس کے معاملات لوگوں سے صاف نہیں ہیں۔ اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ جنت اس کے لئے رزرو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ میں نماز روزہ کا اہتمام کر رہا ہوں۔ حج کی سعادت بھی میں نے حاصل کر لی ہے۔ مسجد اور مدرسہ کے چندہ دہندگان میں بھی میرا نام چھپا ہوا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے ایک دین دار آدمی کا کیا یہ انجام ہو سکتا ہے کہ آخرت میں وہ بے دین قرار دے کر خدا کی رحمتوں سے دور پھینک دیا جائے۔

حقیقی خدا پرستی جو آخرت میں آدمی کے کام آئے گی وہ یہ ہے کہ آدمی اس طرح اللہ سے ڈرنے لگے کہ وہ

اس کے صبح و شام کا نگراں اور حاکم بن جائے۔ وہ جو کچھ کرے یہ سمجھ کر کرے کہ وہ خدا کے سامنے ایسا کر رہا ہے۔ اس کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر ستانے لگے۔ جب آدمی اس طرح خدا پرست بنتا ہے تو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کے معاملہ میں بے انصافی کرنے سے اس طرح ڈرتا ہے جیسے وہ ساری دنیا کے ساتھ بے انصافی کر رہا ہے۔ وہ مسلمانوں کے درمیان تخریب کا ایک واقعہ دیکھ کر اس طرح سہم جاتا ہے جیسے اس نے سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ کسی شخص کے ساتھ ایک بار بد معاملگی ہو تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی تمام عبادات اور قربانیاں باطل ہو گئی ہیں ـــــ لوگ خوش فہمیوں میں جی رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ صرف حقائق ہیں جو آدمی کے کام آتے ہیں، خواہ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا معاملہ۔

۳ جون ۱۹۷۹ کو راقم الحروف میرٹھ میں تھا۔ شام کے وقت صدر بازار کی سڑک پر میں اور مولانا شکیل احمد قاسمی ایک ساتھ جا رہے تھے۔ اچانک ایک مکان کے آگے کا حصہ ہمارے سامنے گر پڑا۔ اینٹ اور پتھر سڑک پر ڈھیر ہو گئے۔ ہم دونوں بمشکل اس سے پانچ سکنڈ کی مسافت پر تھے۔ اگر ہم پانچ سکنڈ آگے ہوتے یا مکان پانچ سکنڈ بعد گرتا تو یقیناً ہم دونوں اس کی زد میں آجاتے۔ میں نے سوچا: آدمی اور اس کی موت کے درمیان صرف پانچ سکنڈ کا فاصلہ ہے۔ کسی بھی آدمی کے لئے ہر لمحہ یہ اندیشہ ہے کہ اس کا "پانچ سکنڈ" کا سفر پورا ہو جائے اور اچانک وہ اپنے آپ کو دوسری دنیا میں پائے۔

آدمی کے ذہن پر اگر یہ بات چھا جائے کہ اس کے اور موت کے درمیان صرف "پانچ سکنڈ" کا فاصلہ ہے تو اس کی دنیا بدل جائے۔ وہ بالکل دوسرے قسم کا انسان بن جائے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت میں جینے لگے۔

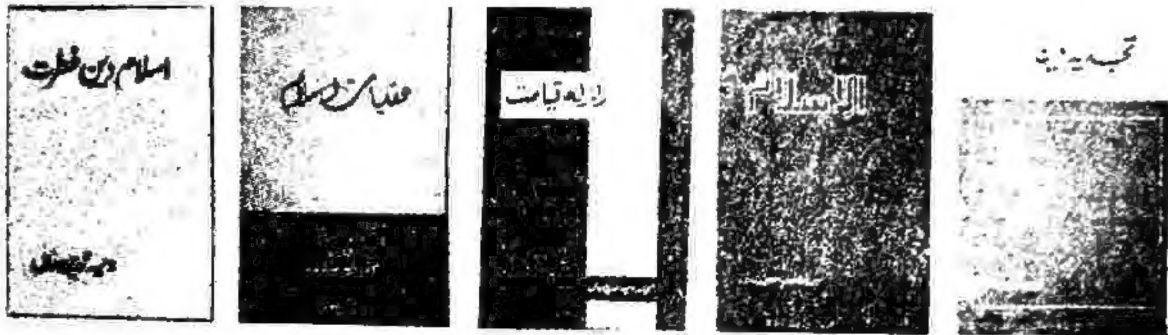
زندگی کا راز یہ ہے کہ آدمی اس بات کو جان لے کہ وہ ہر وقت موت کے کنارے کھڑا ہوا ہے، ایسی موت جس کے معاً بعد آدمی، حدیث کے لفظوں میں، یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہو جاتا ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرتا ہے۔ آدمی کا ہر قدم اس کو دو انتہائی انجام میں سے کسی ایک انجام کے قریب پہنچا رہا ہے۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے




- **دین کیا ہے**
  صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- **تجدید دین**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **مذہب اور جدید چیلنج**
  صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- **تعمیر ملت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **الاسلام**
  صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۲/- روپے
- **اسلام دین فطرت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **ظہور اسلام**
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- **زلزلۂ قیامت**
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- **اسلامی دعوت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲ روپے
- **تاریخ کا سبق**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **عقلیات اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **قرآن کا مطلوب انسان**
  صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵ روپے
- **مذہب اور سائنس**
  صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
- **پیغمبر اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- **سبق آموز واقعات**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶

Regd. D. (D 53?
Regd. R.N. No. 28822/76
Issue No. XXXIIII

September 1979

# Al-Risala Monthly

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET, DELHI-110006



ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی سے شائع کیا